اسلامی معاشرہ کی تعمیر و تشکیل
سورہ حجرات کی روشنی میں

تالیف

مجیب الرحمن عتیق ندوی

ناظم تعلیمات

دار العلوم امام ربانی، نیرل،

تالیف

مجیب الرحمن عتیق ندوی

ناظم تعلیمات

دار العلوم امام ربانی، نیرل،

اسلامی معاشرہ کی تعمیر و تشکیل
سورہ حجرات کی روشنی میں

تالیف

مجیب الرحمن عتیق ندوی

ناظم تعلیمات

دارالعلوم امام ربانی، نیرل،

ناشر

شعبہ تحقیق و ریسرچ

دارالعلوم امام ربانی، نیرل

(جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ)

طبع اول ۲۰۲۰ء

نام کتاب : اسلامی معاشرہ کی تعمیر وتشکیل سورہ حجرات کی روشنی میں

نام مؤلف: مجیب الرحمٰن عتیق ندوی

صفحات : ۱۲۶

طباعت : طبع اول ۲۰۲۰ء

قیمت : ۸۰

ناشر : شعبہ تحقیق وریسرچ دارالعلوم امام ربانی، نیرل

Darul Uloom Imam-e-Rabbani, Neral

Mujeebur Rehman Ateeq NAdwi

Contact: 9897971203, 8412050397

Email: mujeeb_ateeq@hotmail.com

Website: www.mujeebnadwi.com

ملنے کے پتے

۱-نعمانی اکیڈمی، خانقاہ نعمانیہ، نیرل، مہاراشٹر

۲-دارین بکڈپو، لکھنؤ

فہرست موضوعات

عرض مؤلف

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله،وعلى آله وأصحابه ومن والاه، أما بعد!

یہ مختصر رسالہ ’’اسلامی معاشرہ کی تعمیر وتشکیل سورہ حجرات کی روشنی میں‘‘ ان اسباق اور دروس تفسیر کا مجموعہ جو دارالعلوم امام ربانی - نیرل کے منتہی طلبہ کے درجہ میں پڑھائے گئے ہیں،

یہ محض اللہ سبحانہ وتعالی کا فضل ہے کہ جب سے تدریسی زندگی کا آغاز ہوا ہے، مجھ بے بضاعت کو قرآن مجید کے درس کی توفیق عطا فرمائی ہے، اس ضمن میں جہاں قرآن مجید سے استفادہ کی سعادت حاصل ہوتی ہے، وہیں بعض دروس واسباق قلمبند بھی ہو گئے، اس مجموعہ سے قبل عربی زبان میں سورہ بروج کی تفسیر ’’الصراع بين أهل العقيدة والايمان وأهل الكفر والطغيان ‘‘ الحمد للہ شائع ہو چکی ہے، سورہ نور کے دروس بھی قلمبند ہوئے ہیں، لیکن ابھی نامکمل ہیں، اللہ اس کو بھی مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، مختلف مناہج تفسیر کے تعارف سے متعلق بھی ایک رسالہ الحمد للہ عربی زبان میں مکمل ہو چکا ہے، امید ہے کہ وہ بھی جلد ہی زیور طبع سے آرستہ ہو سکے ہو گا۔

سال رواں جب تعلیم کا آغاز ہوا تو وبائی مرض کی وجہ سے ملکی وعالمی حالات دگرگوں تھے، تعلیمی ادارے بھی حالات کی وجہ سے مقفل تھے، چنانچہ آن لائن دروس کا سلسلہ شروع کیا گیا، اس موقع پر سورہ حجرات کے درس سے ابتداء ہوئی، اور الحمد للہ ان کو مرتب کرنے کی توفیق بھی میسر آئی، تا کہ یہ دروس محفوظ بھی ہو جائیں، اور ان کا فائدہ بھی عام ہو سکے،

قرآن مجید ہدایت ربانی صحیفہ ہے، اس کے نزول کا بنیادی مقصد انسانوں کی ہدایت واصلاح اور نفوس کا تزکیہ ہے، اس لحاظ سے قرآن کی ہر آیت وہر سورت گنجینہ حکمت ومنبع ہدایت ہے، اسی لئے قرآن مجید کا مطالعہ صرف معلومات میں اضافہ کے لئے یا صرف درس وتدریس کے لئے نہیں کرنا چاہیئے بلکہ رضاء الہی کی نیت کے ساتھ اپنی اصلاح اور ہدایت قرآنی پر عمل کا جذبہ

ہو،اپنے نفس کی اصلاح اورخوداپنی زندگی کی تعمیر کی نیت ہونا چاہئیے ،سورہ حجرات اپنے اختصار کے باوجودانتہائی اہم اور بنیادی مضامین پر مشتمل ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ ایک مکمل مدرسہ اور ایمانی تربیت گاہ ہے،ایسی بنیادی ہدایات پر مشتمل ہے جن کی روشنی میں صالح، پاکیزہ، ایمانی وربانی معاشرہ کی تعمیر ہوتی ہے،اخوت باہمی اوراعلی اخلاقی قدروں کے سایہ میں معاشرہ پروان چڑھتاہے،

میں انتہائی شکرگذار ہوں نوجوان فاضل ،صاحب قلم ،مدیر ماہنامہ ''ندائے اعتدال'' برادرگرامی جناب ڈاکٹر طارق ایوبی ندوی صاحب کا کہ انہوں نے میری گذارش کوقبول فرما کر ایک قیمتی مقدمہ تحریرفرمایا،اورکتاب کی قیمت کودوبالا کیا،

اسی طرح میں مشکور ہوں برادرگرامی جناب مولانا زین العابدین صاحب قاسمی مدظلہ نائب ناظم دارالعلوم امام ربانی کا کہ انہوں نے اپنے پیش لفظ سے قدرافزائی فرمائی، اللہ تعالی ہمارے دونوں احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے، نیز میں شکرگذار ہوں مولانا عبدالماجد ندوی کا کہ انہوں نے اس کتاب کی طباعت کے مراحل کوآسان بنایا،فجزاہ اللہ خیرا۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اپنی کتاب عزیز کی اس متواضع خدمت کوقبول فرمائے ،اور سب سے پہلے اس کوخودراقم کی زندگی کے لئے نافع بنائے،اورآخرت میں ذریعہ نجات بنائے، اورقرآن مجیدودین کی مقبول خدمت کی مزیدتوفیق ارزانی فرمائی، وصلی اللہ علی النبی الأمی وعلی آلہ وصحبہ وسلم،

مجیب الرحمٰن عتیق ندوی

ناظم تعلیمات

دارالعلوم امام ربانی، نیرل

سنبھل

٦/اکتوبر ۲۰۲۰ء

مقدمہ

از: ڈاکٹر محمد طارق ایوبی

قرآن مجید ایک ایسی ابدی و لازوال اور آفاقی و دائمی کتاب ہے جس کے معجزۂ الٰہی ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں، جوں جوں زمانہ ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے، دنیا قیامت کی طرف بڑھ رہی ہے قرآنی اسرار و حقائق اسی رفتار سے منکشف ہوتے جارہے ہیں، تاریخ جیسے جیسے اپنے کو دوہرا رہی ویسے ویسے قرآنی آیات کی تائید و تصدیق کرتی جارہی ہے، قرآن کی تعریف میں یہ جملہ لا تنقضی عجائبه ایک ایسی لازوال ولا ابدی اور اٹل حقیقت پر مشتمل ہے جس کا نتیجہ آئے دن ہوتا رہتا ہے بلکہ اہل نظر اور اہل دل ہمہ وقت اور لحہ بہ لحہ کرتے رہتے ہیں، قرآن کی ہر ہر سورت نہیں اس کا ہر ہر لفظ معجزہ ہے، اعجاز قرآنی پر گفتگو کرنے والوں نے اس دعویٰ کو روشن و واضح دلائل سے ثابت کیا ہے، قرآن نے الجاهلية الأولى کی ترکیب استعمال کی ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولىٰ، نزول قرآن سے ماقبل کے معاشرہ، اس کی تہذیب، اس کے رسوم و رواج اور اس وقت کے تمدن کو جاہلیت اولیٰ سے تعبیر کیا، اس ترکیب کا اعجاز یہ ہے کہ اس نے آئندہ جاہلیت ثانیہ کی شکل میں جاہلیت کے عود کر آنے کی خبر دے دی، چنانچہ اٹھارویں صدی کے اواخر میں یورپ سے مشینی انقلاب شروع ہوا، اس کے نتیجہ میں جو تمدنی تبدیلیاں رونما ہوئیں، اسی کے ضمن میں متعدد تحریکیں چلیں، آزادی نسواں کی تحریک وجود میں آئی، جس کے نتیجہ میں دنیا ایک نئے تہذیب و تمدن سے متعارف ہوئی، مشینی و صنعتی خلفیہ کے سبب یہ تہذیب مسلم ممالک پر بھی اثر انداز ہوئی، پھر مغربی ممالک کی روز افزوں سیاسی و عسکری و معاشی ترقی اور مسلم ممالک کی زوال پذیری نے مغربی تہذیب کو چھا جانے کا موقع فراہم کیا، گویا تاریخ نے وہ اصول دہرایا کہ غالب قوم کی تہذیب بھی غالب ہوتی ہے، اس تہذیب کے فروغ اور اس کے پس خوردہ کو کھانے کے نتیجہ میں جو معاشرہ وجود میں آیا اس نے درندگی، بہیمیت، مادہ پرستی، عیاشی اور انسانیت سوزی کی ساری حدیں پار کر دیں، جاہلیت اولیٰ کی ساری ترقی یافتہ اور متمدن

شکلیں اس معاشرہ کا فیشن قرار پائیں، جاہلیت کا قلع قمع کرنے، اس کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے اور اس کے مظاہر پر قدغن لگا کر ایک پاکیزہ و پرامن معاشرہ قائم کرنے کا کام قرآن مجید نے کیا تھا، آج بھی اسی قرآن کی طرف رجوع، اسی کی ہدایت اور اسی کی حکمرانی کے ذریعہ ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر و تشکیل ممکن ہے، بالکل بجا ارشاد ہے لا يصلح آخر هذه الأمة إلا بما صلح به أولها۔

قرآن مجید انسانیت کی رہنمائی اور نفوس انسانی کے انفرادی و اجتماعی تزکیہ و ہدایت کے لیے آیا ہے، وہ زمان و مکان کی حدود سے بالا ہے، اس کو مسلکی و نظریاتی تنگنائیوں سے کوئی سروکار نہیں، اس کا خطاب مطلق ہے، اس کے مخاطب تمام انسان ہیں، اس کے اطلاق کو روایات و اسباب نزول میں محدود نہیں کیا جا سکتا، اس کے لفظ لفظ میں عمومی عبرت اور رہتی دنیا تک کے لیے رہنمائی ہے، قرآن پاک کی یہی اطلاقیت اس کی ابدیت کی علامت ہے، قرآن پاک کو اپنے فکر و نظر کے مطابق ڈھالنے والے ٹھوکریں کھا کر منہ کے بل گر جاتے ہیں کیونکہ اس کا نزول فکر و نظر کے مطابق ڈھلنے کے لیے نہیں بلکہ فکر و نظر کی رہنمائی کے لیے ہوا ہے، چنانچہ اس سے رہنمائی حاصل کرنے والے نہ صرف خود فیض یاب و راہ یاب ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کے لیے بھی ہادی و رہنما بن جاتے ہیں، قرآن پاک اور اس کی تفسیر حقیقی سیرت و سنت نبوی پر ارتکاز کے ذریعہ ہی انسانیت نجات پا سکتی ہے، اجتماعیت کی اصلاح ہو سکتی ہے، نقطۂ اتحاد کا سرا مل سکتا ہے اور ایک پرسکون و صالح اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''اسلامی معاشرہ کی تعمیر و تشکیل سورہ حجرات کی روشنی میں'' ان ہی دعوؤں کی دلیل ہے جن کا خلاصہ سطور بالا میں پیش کیا گیا، یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید کو ہر دور میں فکر و تدبر کا الگ الگ انداز میں اس طرح موضوع بنایا گیا کہ علوم القرآن کمیت و کیفیت کے اعتبار سے دنیا کا سب سے زیادہ وسیع و ضخیم فن بن گیا، مذکورہ کتاب بھی اسی زریں سلسلہ کا حسین امتداد ہے، صرف سورہ حجرات کو لے لیجئے تو اپنے اپنے عہد کے تقاضوں کے پیش نظر لوگوں نے اس کو موضوع

بنایا اوراس کی تفسیر کی، اس کے مختلف پہلوؤں پر گراں قدر تصانیف پیش کیں، مضامین و مقالات اور دروس اس کے علاوہ ہیں، سورہ حجرات کی تفسیر پر مشتمل ۷۵ عربی کتب کی فہرست کا تو فاضل مصنف نے تفصیلی ذکر کیا ہے، سینکڑوں تفاسیر میں اس سورہ کی ضخیم تفسیریں اس کے علاوہ ہیں، سورہ حجرات مدینہ منورہ میں سنہ ۹ ہجری کے آس پاس نازل ہوئی، قرآن کے نزول کی تدریج و ترتیب از خود قرآن کا اعجاز ہے، سوچیے ذرا کہ جب ریاست مدینہ مستحکم ہو رہی تھی تو اب ضرورت تھی کہ اجتماعی زندگی کے اصول و آداب سے لوگوں کو متعارف کرایا جائے اور انسانی مساوات کا اعلان کیا جائے، اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے بنیادی اصولوں سے روشناس کرایا جائے، اجتماعیت کو ختم کرنے والی، انانیت کو فروغ دینے والی اور فسادِ معاشرہ کا سبب بننے والی چیزوں پر قدغن لگائی جائے اور ان سے متنبہ کیا جائے تو یہ سورہ حجرات نازل کی گئی، اس کے مباحث و مضامین کا جائزہ لیجئے تو اس سے متعلق ساری ضرورتیں پوری ہوتی نظر آئیں گی، اس میں انسانی معاشرہ کے شایانِ شان اصول و آداب کی تعلیم ہے، مومنین کو امتیازی آداب و اطاعت کی تلقین ہے، فساد معاشرہ کے اسباب و عناصر پر خاص تنبیہ ہے، جاہلی عصبیات اور نسلی و قومی امتیازات کی سرکوبی ہے، اس سورہ پر غور کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ جن امراض پر اس میں تنبیہ کی گئی ہے آج دنیا ان ہی کے سبب کراہ رہی ہے اور انسانیت شرمسار ہو رہی ہے۔

یہ سورہ نہ صرف اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول کی تعلیم دیتی ہے بلکہ اس کے آداب و تقاضوں سے بھی واقف کراتی ہے، اس میں خبروں کو دینے، لینے اور پھیلانے سے متعلق اہم اور اصولی تعلیم دی گئی ہے، جھوٹی اور غلط خبر دینے والے کو فاسق کہا گیا ہے، بلا تحقیق نقل کرنے والوں کو متنبہ کیا گیا ہے، بلکہ بلا تحقیق خبریں عام کرنے کو دوسری جگہ منافقین کی حرکت بتایا گیا ہے، و إذا جاء هم امر من الأمن أو الخوف أذا عوا به (نساء ۸۳) آج محطات الاذاعۃ اور ذرائع ابلاغ یہی کام کر رہے ہیں اور ان کے گر گے ان ہی کا کام انجام دے رہے ہیں، اسی آیت میں ایسی خبروں کی حقیقت کو جاننے کے لیے اللہ و رسول اور اولی الامر سے رجوع کرنے کی تلقین کی گئی

ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج پوری دنیا اسی قرآن اصول کی خلاف ورزی کی سزا بھگت رہی ہے، پہلے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا تو ظلم ڈھا رہی تھا اب سوشل میڈیا نے فاسق کو چھوڑیے معتمد و قابل اعتبار کو بے اعتبار و غیر ثقہ بنا دیا ہے، صبح سے شام تک صرف جھوٹی باتیں اور تحریریں ایک دوسرے کو منتقل کی جاتی ہیں، تلخ نوائی کے لیے معاف کیا جائے کہ اب تو علماء و متدینین اور سورہ حجرات کا درس دینے اور لینے والے بھی ہمہ وقت اپنے اپنے واٹساپ گروپوں میں یہی کام کرتے رہتے ہیں، جس کا نتیجہ ہے کہ معاشرہ کے اصلاح کی ہر کوشش بے سود و ناکام نظر آتی ہے، تقسیم و افتراق کی داستان و مخراش روز افزوں مزید خون آلود ہوتی جاتی ہے، اس سورہ میں یہ اور اس کے علاوہ تجسس اور اصلاح بین الناس کی دو باتیں انتہائی اہم اور بنیادی ہیں، قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے اصولی طور پر ایسی باتوں کی نشاندہی کی ہے جو ہر زمانے میں تخریب و انتشار اور انسانیت سوزی اور اجتماعی فساد کا سبب بنی ہیں، غلط خبر دینا، غلط بات پھیلانا، بے جا اور ناجائز تجسس میں رہنا، اصلاح بین الناس سے اعراض اور ستم بالائے ستم ظالم کا ناحق ساتھ دینا یہ وہ بنیادی عناصر ہیں جو تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں کی اجتماعی شرمساری کا باعث بنے ہیں۔

قابل مبارکباد ہیں ہمارے فاضل دوست مجیب الرحمٰن عتیق ندوی صاحب جنھوں نے اجتماعی تنزلی اور اخلاقی دیوالیہ پن کے اس دور میں سورہ حجرات کی روشنی میں اسلامی معاشرہ کی تعمیر و تشکیل کے موضوع پر اردو زبان میں ایک قابل قدر اور رہنما کتاب پیش کی، یہ بھی واقعہ ہے قرآن مجید سے براہ راست استفادہ کی راہ میں ہمارے یہاں بڑی رکاوٹیں کھڑی کردی گئی ہیں، فارغین مدارس میں بھی اس کا فقدان ہے، معاشرہ کی تنزلی اور افتراق کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے، اس صورت حال میں فاضل گرامی کی اس تصنیفی کاوش کی اہمیت دوبالا ہوجاتی ہے، یوں بھی ہمارے اردو تفسیری لٹریچر میں موضوعی تفسیر کا رواج بہت کم بلکہ نہ کے برابر ہے، اس لحاظ سے بھی مجیب صاحب کی یہ کتاب بڑی اہم ہے، اس سے پہلے بھی متعدد سورتوں کو موضوعی تفسیر کا عنوان بنا کر ان کی کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں، عرصہ سے اللہ تعالیٰ نے مجیب بھائی کو کتاب وسنت کی تدریس کا

زریں موقع عنایت کر رکھا ہے، پہلے وہ جامعہ سید احمد شہید میں تفسیر و حدیث کے سب سے نمایاں استاد رہے، اب دار العلوم امام ربانی میں اسی مقام پر فائز ہیں، جدید نسل کے فضلاء میں اپنے فکر و نظر، وسیع مطالعہ، مصادر سے براہ راست استفادہ، پختہ استعداد، اخاذ طبیعت اور معتدل مزاجی کے سبب وہ امتیازی شان رکھتے ہیں، ان کی تحریریں علمیت و استدلال سے معمور ہوتی ہیں، فکر و نظر کو جلا بخشتی ہیں، قوت فکر و عمل کو مہمیز کرتی ہیں اور قاری کے سامنے نئی دنیا اور نئی جہتیں روشن کرتی ہیں۔

سورہ حجرات کی تفسیر پر مشتمل ان کی یہ کتاب پڑھنے والے کو راقم کے ہر دعوے کی دلیل خود ہی مل جائے گی، وہ خود ان کی وسعت مطالعہ کی داد دے گا، اخذ و استفادے اور قوت استدلال کو محسوس کرے گا، قرآن مجید میں فکر و تدبر کے وقت اصالت و معاصرت کے حسین امتزاج کی بہترین مثال دیکھے گا، عقل و نقل کے توازن کو محسوس کرے گا، میں یہ ہرگز نہیں کہوں گا اور کہہ بھی نہیں سکتا کہ فاضل مصنف نے اس کتاب میں سورہ حجرات کے تمام مضامین کو جمع کر دیا ہے اور اس کی تفسیر کا حق ادا کر دیا ہے، لیکن کتاب پر نظر ڈالنے کے بعد یہ ضرور کہوں گا کہ انھوں نے موضوع کی مناسبت سے اختصار کے ساتھ نہایت جامع مواد فراہم کر دیا ہے، مضامین سورت اور اس کے متعلقات پر نمائندہ تفاسیر سے استفادہ کرتے ہوئے بہت اچھی علمی گفتگو کی ہے اور تمام ضروری پہلوؤں کا احاطہ کر لیا ہے، یہ صحیح ہے کہ یہ کتاب ان کے دروس کا مجموعہ ہے اس لیے اس پر علمی رنگ غالب ہے لیکن افادہ عام کے لیے پیش کرتے وقت اگر وہ اس کی عصری تطبیق کے لیے واضح مثالوں کے ساتھ کچھ اضافے کر لیتے تو فائدہ دوبالا ہوتا، اور قرآن کے مقصد نزول یعنی ہدایت انسانی اور تزکیہ و اصلاح کا پہلو عصری تناظر میں مزید واضح ہوتا ہے۔

مجھے خدا کی ذات سے قوی امید ہے کہ اہل علم و اصلاح کے درمیان یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی اور اس کا شاندار استقبال کیا جائے گا، اور اس کی روشنی میں اصلاح ذات و اجتماعیت کی فکر کی جائے گی، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ مجیب بھائی کو شاد و آباد اور صحت یاب

رکھے، ان کا قلم فیض رقم یوں ہی کتاب وسنت کی تفسیر وشرح میں جاری رہے، ظلم وفساد کی بخیہ دری کرتا رہے اور اسلامی بنیادوں کو کُمک پہنچاتا رہے، اللہ تعالیٰ اس کتاب کے نفع کو عام فرمائے، فاضل مصنف اور راقم آثم کے لیے باعث نجات بنائے۔

وفقه الله وإيانا المزيد من التوفيق والسداد وهو الموفق والمستعان

والسلام

علی گڑھ

۳۰/اکتوبر ۲۰۲۰ء

پیش لفظ

مولانا زین العابدین صاحب حیدرآبادی

نائب ناظم دارالعلوم امام ربانی

دارالعلوم امام ربانی نیرل حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں قائم ہونے والا ایک اہم ادارہ ہے، جہاں اللہ کی توفیق سے اکابر واسلاف کے ذوق ومنہاج کی رعایت کے ساتھ عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ایک جامع وحدانی نظام تعلیم کی داغ بیل ڈالی گئی ہے، الحمدللہ ادارہ اپنی منزل مقصود کی جانب رواں دواں ہے،

ہمارے بہت سے مدارس میں تفسیر قرآن کے نصاب اور طرز تدریس میں بڑی کمی محسوس ہوتی ہے، اسی لئے فارغین مدارس میں براہ راست قرآن فہمی کا ذوق تقریبا مفقود ہوتا ہے، یا کم از کم بہت محدود ہوتا ہے، دارالعلوم امام ربانی کے نصاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ طلبہ عزیز میں قرآن مجید سے استفادہ کی صلاحیت اور قرآن فہمی کا ذوق پیدا ہو، وہ زندگی کے مختلف مسائل کا حل خدا کی کتاب کی روشنی میں عصر حاضر کے تقاضوں اور ذہنی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے پیش کرسکیں، اس ذوق کی نمود کے لئے خود حضرت مولانا سجاد نعمانی صاحب دامت برکاتہم کی ہفتہ وار مجالس اور طلبہ کے ساتھ نشستیں بہت مفید ہوتی ہیں، نیز نصاب تعلیم میں مبتدی طلبہ کو پہلے مکمل قرآن مجید کا ترجمہ مختصر تشریح کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے، تاکہ موضوع سے مناسبت پیدا ہوجائے، پھر تفسیر ماثور کی مستند کتاب ''تفسیر ابن کثیر'' کا اختصار پڑھایا جاتا ہے، جس کو مشہور عالم ''علامہ صابونی'' نے مختصر ومرتب فرمایا ہے، نیز منتہی طلبہ کے کلاس میں تفسیر کے مختلف مناہج کے تعارف، اور مختلف کتب تفسیر سے استفادہ کی غرض سے تفسیر موضوعی اور ''الاعجاز العلمی للقرآن'' کے موضوع پر کچھ محاضرات ہوتے ہیں، نیز بعض بعض سورتیں قدرے تفصیل کے ساتھ پڑھائی جاتی ہیں، یہ سب اس لئے ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر اور اس کے فہم کا مزاج طلبہ عزیز میں پیدا ہوسکے، منتہی طلبہ کے کلاس میں تفسیر کے دروس دارالعلوم امام ربانی کے ناظم تعلیمات جناب مولانا مجیب الرحمٰن عتیق

ندوی صاحب کے ہوتے ہیں، زیر نظر رسالہ مولانا محترم کے دروس کی کتابی شکل ہے،

کرونا وائرس کی عالمی وبا نے پورے عالم کے نظام کو تہ وبالا کردیا تھا،اس ناگہانی آفت اور حالات میں مدارس کا متاثر ہونا بھی ایک فطری بات تھی،لیکن الحمدللہ دارالعلوم امام ربانی کے انتظامیہ نے وقت ضائع کئے بغیر فوراہی حفظ اور عربی درجات کی باقاعدہ آن لائن تعلیم کا نظام لاک ڈاون نافذ ہونے کے ساتھ ہی شروع کردیا تھا، یہ سلسلہ مختلف مسائل ومشکلات کے ساتھ جاری رہا، بسااوقات بعض طلبہ کی حاضری اور پابندی دروس میں دشواری کا سامنا ہوتا،تو اس کے امکانی حل پر توجہ دی جاتی تھی،اسی امکانی حل کی ایک بہت مفید اور کامیاب شکل یہ تھی کہ مولانا محترم نے اپنے تفسیری دروس کے نوٹس طلبہ کے لئے تیار کئے،اور حسب درس طلبہ کوارسال فرماتے رہے،اور یوں ایک مفید مجموعہ تیار ہوگیا،زیر نظر تحریر مولانا کے انہی مفیداور علمی دروس کا مجموعہ ہے، اللہ تعالی نے مولانا موصوف کوسلیس زبان اور سیال قلم کاوافر حصہ عطا کیا ہے،مولانا ان خوش بخت افراد میں سے ہیں جنہیں قدرت نے اردواور عربی دونوں زبانوں پر یکساں مہارت دی ہے،مزید علوم قرآن وحدیث پر مولانا کی گہری نگاہ ہے،اس کتابچہ کے شروع میں مولانا ’’سورہ حجرات پر لکھی ہوئی چند تفاسیر اور مستقل کتب‘‘ کے زیر عنوان ۷۵ کتابوں اور تفاسیر کی فہرست مع اسماء مصنفین پیش کی ہے،جس سے مولانا کی وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے،اور خود طلبہ میں قرآن ذوق پروان چڑھانے میں ان دروس سے کتنی ترقی ہوسکتی ہے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں،

یقیناً یہ کاوش فہم قرآن کے خواہش مند حضرات خصوصا طلبہ وساتذہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی،اور باذوق اہل علم اس کوشوق کے ہاتھوں لیں گے،اللہ تعالی سے دعا گو ہوں کہ فہم قرآن کی یہ سعی امت میں قرآن فہمی کے ذوق کو پروان چڑھانے میں کارگر ثابت ہو،اور مصنف کے لئے ذخیرہ دارین کا سبب بنے، وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

زین العابدین

دارالعلوم امام ربانی، نیرل

سورة الحجرات

بسم الله الرحمن الرحيم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (1)يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (2)إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ (3)إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (4) وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْراً لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (5)يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (6)وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (7)فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (8)وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (9)إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (10)يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِّن

قَـوْمٍ عَسَى أَن يَكُونُوا خَيْراً مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءِ مِّن نِّسَاءٍ عَسَى أَن يَكُنَّ خَيْراً مِّـنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْـإِيْـمَـانِ وَمَـن لَّمْ يَتُبْ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (11) يَـا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اجْتَـنِبُـوا كَثِيْـراً مِّـنَ الـظَّـنِّ إِنَّ بَـعْـضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّـعْضُكُم بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (12) يَـا أَيُّهَـا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَـعَـلْـنَـاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (13) قَـالَـتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَـمَّـا يَـدْخُـلِ الْـإِيْمَانُ فِيْ قُلُوبِكُمْ وَإِن تُطِيْعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئاً إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيْمٌ (14) إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُـولِـهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللَّهِ أُوْلَئِكَ هُـمُ الـصَّادِقُونَ (15) قُـلْ أَتُـعَـلِّـمُـونَ الـلَّـهَ بِـدِيْـنِـكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ السَّمَاوَاتِ وَمَا فِيْ الْأَرْضِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (16) يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيْمَانِ إِن كُـنتُمْ صَادِقِيْنَ (17) إِنَّ الـلَّـهَ يَـعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ 18)

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله والصلاۃ والسلام علی رسول الله وعلی آله وأصحابه ومن والاہ، أما بعد!

حرف ابتداء

انسان کو اللہ تعالی نے ایک ایسی مخلوق بنایا ہے جو بہیمیت وملکوتیت کی جامع ہے، اگر وہ انسانیت وشرافت، اور ملکوتی صفات سے اپنے قلب وضمیر، روح وباطن کو مزین کر لے، تو اس خاکی سے نوری شرما جائیں، اور اس کے جذب ومستی کی تقلید نہ کر سکیں، تن آساں عرشیوں کے حوصلے اس کے عزم وہمت، پہاڑ اس کے ثبات واستقامت کے آگے ہیچ ہیں، سمندر اس کے قطرۂ اشک، بادنسیم کی مست خرامی اس کے شوق ووجد، گل ولالہ کی نرمی اس کے اخلاق ونرم خوئی، برق وشعلہ اس کے گرمی نفس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، مگر یہی اشرف المخلوقات حضرت انسان جب ملکوتی صفات سے انحراف، اور انسانیت وشرافت سے منھ پھیرتا ہے، تو ''ثم رددناہ اسفل السافلین'' کے مہیب غار میں گرتا ہے،

مکارم اخلاق اور انسان کے حسن کردار کے بہت سے شعبے اور صفات ملکوتیت کے متعدد پہلو ہیں، جو انسانی زندگی کے مختلف گوشوں اور حالات میں جلوہ نما ہوتے ہیں، اخلاق کا دائرہ کار بہت وسیع ہے، بعض لوگ حسن اخلاق یا مکارم اخلاق کو بہت محدود سمجھتے ہیں یا صرف چند مظاہر کو اچھے اخلاق وکردار سمجھا جاتا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ مکارم اخلاق اعلی ترین انسانی قدروں، بہترین انسانی صفات، صاف وشفاف پاکیزہ کردار، ہر ایک کے ساتھ اس کے مقام ومنزلت کا خیال کرتے ہوئے حقوق کی ادائیگی، اور زندگی کے اس خوبصورت معیار کا نام ''حسن اخلاق'' ہے جہاں انسان رشک ملائکہ بن جاتا ہے،

قرآن مجید ہدایت انسانی کا سرچشمہ ہے، وہ زندگی کے ہر پہلو اور ہر گوشہ کے لئے رہنمائی فراہم کرتا ہے، وہ کلام الہی اور معجزۂ ربانی ہے، وہ وحی الہی پر مرتب محیر العقول ایک کامل ومکمل نظام زندگی ودستور حیات ہے، وہ ہدایت کا صحیفہ بھی ہے اور قیام عدل ومیزان کی شمشیر آبدار

بھی، فتن و دجالیت سے حفظ و امان کی ضمانت بھی ہے اور گنجینۂ علم و معرفت بھی، زبان نبوت نے ایک موقع پر فرمایا تھا :

عن علی رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : انها ستکون فتن . قلت ما المخرج منها یا رسول الله ؟ قال : کتاب الله ، فیه نبأ ما قبلکم ، وخبر ما بعدکم ، وحکم ما بینکم ، هو الفصل لیس بالهزل ، من ترکه من جبار قصمه الله ، ومن اتبع الهدی بغیره أضله الله ، وهو حبل الله المتین ، وهو الذکر الحکیم ، هو الصراط المستقیم ، وهو الذي لا تزیغ به الأهواء ، ولا تلتبس به الألسن ، ولا تنقضي عجائبه ، ولا یشبع منه العلماء ، من قال به صدق ، ومن عمل به أجر ، ومن حکم به ، عدل ومن دعا إلیه هدي إلی صراط مستقیم .رواه الترمذی.

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، عنقریب فتنے رونما ہوں گے، میں نے عرض کیا ان سے نکلنے کا راستہ کیا ہے، آپ نے فرمایا، کتاب اللہ، اس میں تم سے پہلے لوگوں کے واقعات اور آئندہ کی پیشین گوئیاں ہیں، وہ تمہارے درمیان معاملات کا حَکَم ہے، وہ فیصلہ کن ہے، کوئی مذاق نہیں، جو اس کو کبر وغرور سے چھوڑے گا اللہ اس کو توڑ کر رکھ دے گا، جو اس کے بغیر ہدایت کو تلاش کرے گا اللہ اسے گمراہ کر دے گا، وہ ذکر حکیم ہے، وہ صراط مستقیم ہے، وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے، وہ ایسی کتاب ہے، جس کے ذریعہ خواہشات زیغ وضلال کا شکار نہیں ہوتیں، جس کے ذریعہ زبانیں دروغ گوئی نہیں کرتیں، جس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے، جس کے ذریعہ اہل علم کو سیرابی نہیں ہوتی، جو اس کے ذریعہ کہتا ہے وہ صادق ہے، جو اس پر عمل کرتا ہے وہ مستحق اجر ہے، جو اس کے ذریعہ فیصلہ کرتا ہے وہ اس کا فیصلہ عین انصاف ہے، جو اس کی طرف دعوت دیتا ہے اس کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی توفیق ملتی ہے۔

قرآن مجید میں جہاں عبادات ومعاملات ،اور عقائد کی تفصیل، دلائل ربوبیت کا بیان، خدا کی وحدانیت وصمدانیت کا تعارف، اہل تقوی وطاعت پر خدا کے انعام، اہل کفر ومعصیت پر خدا کے قہر وغضب کا بیان، اور انسانی نفوس کے تزکیہ کا سامان ہے، وہیں اعلی ترین

انسانی قدروں اور مکارم اخلاق کا حسین تذکرہ ہے، آیئے ہم قرآن مجید کی ایک مختصر سورت کا مطالعہ کرتے ہیں، جس میں انتہائی معجزانہ اسلوب میں اعلی مکارم اخلاق، اور باہم انسانی زندگی کے رہنما اصول وضوابط، نبی کی عظمت وتوقیر، قیادت اعلی کے کے ساتھ ادب وتواضع، اور تعامل کے آداب، ایمانی معاشرہ کے استحکام کے لئے بے بنیاد خبروں پر یقین کے بجائے تصدیق کا حکم، اخوت ایمانی کے تقاضے، باہمی اختلاف ونزاع میں اجتماعی ذمہ داری، رذائل اخلاق سے پاک معاشرہ کی تشکیل، اخوت انسانی کا عالمگیر ودائمی اعلان، وغیرہ موضوعات بڑی جامعیت کے ساتھ مذکور ہیں، یہ سورہ ''حجرات'' ہے،

تفسیر کا ایک طرز واُسلوب یہ ہوتا ہے جس میں ایک سورت کے ہدف اساسی کو سامنے رکھتے ہوئے موضوعی مطالعہ ہوتا ہے، یہ حقیقت ہے کہ ہر سورت کا کوئی نہ کوئی محور یا ہدف اساسی وبنیادی مضمون ہوتا ہے، چھوٹی سورتوں میں عموما ایک ہی محور ہوتا ہے، جب کہ طویل سورتوں میں یہ محاور مختلف ہوسکتے ہیں، سورت میں موجود دیگر مضامین اور قصص ومباحث کا بڑا گہرا ربط اس کے بنیادی مضمون سے ہوتا ہے، اس طرز کو کسی سورت کا موضوعی مطالعہ، یا سورہ کی موضوعی تفسیر کہتے ہیں،

سورہ حجرات ایک عمومی تعارف:

سورہ حجرات قرآن مجید کے چھبیسویں پارے کی چوتھی سورت ہے، سورتوں کی ترتیب میں یہ انچاسویں سورت ہے، اور ترتیب نزولی میں یہ ایک سو آٹھویں نمبر پر ہے، یہ سورہ مجادلہ اور تحریم کے بعد نازل ہوئی، یہ سورت مدنی ہے، ہجرت نبوی کے بعد جو سورتیں نازل ہوئی ہیں ان کو اپنے خاص مضامین، اور اسلوب کی وجہ سے ''مدنی'' کہا جاتا ہے،

اس سورت کے بارے میں علامہ بقاعی فرماتے ہیں: ''مدنية اجماعا، وشذ من قال مكية'' یہ سورت مدنی ہے، جو حضرات ''مکی'' کہتے ہیں، ان کا قول شاذ ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں، سیوطی فرماتے ہیں: ''أنها مكية، وهو قول شاذ لا يعتد به'' (الاتقان

۱/۴۹) اس سورت کو مکی کہنے والوں کا قول شاذ و نا قابل التفات ہے‘‘

بہر حال یہ سورت مدنی ہے اور ہجرت نبوی کے بعد ۹ ہجری میں نازل ہوئی، (ابن کثیر ۴/ ۲۰۷) اس سورت میں اٹھارہ آیات، ۳۴۳ کلمات، اور ایک ہزار چار سو چھیتر حروف ہیں،

سورت کا نام:

اس سورہ کا نام ’’حجرات‘‘ ہے، اس کے سوا اس کا کوئی اور نام وارد نہیں ہوا، اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس سورہ کی چوتھی آیت میں ’’حجرات‘‘ کا لفظ آیا ہے، جس سے مراد حضور ﷺ اور ازواج مطہرات کے ’’حجرات شریفہ‘‘ ہیں، علامہ ابن عاشور فرماتے ہیں: ’’سمیت فی جمیع المصاحف وکتب السنة والتفسیر سورة الحجرات، ولیس لها اسم غیره، ووجه تسمیتها أنها ذکر فیها لفظ الحجرات ‘‘اس سورت کا یہ نام محض رمزی اور علامتی ہے کہ اس میں ’’حجرات‘‘ کا تذکرہ ہے، واضح رہے کہ قرآن مجید کی سورتوں کے نام بسا اوقات صرف علامتی ہوتے ہیں، اور بعض اوقات موضوعی ہوتے ہیں، جو سورت کا نام ہے وہی اس کا بنیادی مضمون اور مرکزی محور گفتگو ہوتا ہے، اور بعض سورتوں کے نام وصفی ہوتے کہ وہ اس کی صفت کے طور پر استعمال کئے گئے ہیں، جیسے ’’الفاتحہ‘‘، یہ نہ سورت کا مضمون ہے اور نہ علامت، بلکہ قرآن کی سب سے اولین سورت کی صفت ہے، جس سے کلام الٰہی کا آغاز ہو رہا ہے، اس سورت کا نام حضور ﷺ کے ’’مکانات‘‘ کے عنوان سے کیوں رکھا گیا ہے، شیخ جمال الدین القاسمی نے اپنی تفسیر محاسن التأویل میں ایک لطیف توجیہ ذکر کی ہے؛ فرماتے ہیں؛

’’قال المهایمی: سمیت بها لدلالة آیتها علی سلب انسانیة من لا یعظم رسول الله غایة التعظیم، ولا یحترمه غایة الاحترام، وهو من أعظم مقاصد القرآن ‘‘مہایمی فرماتے ہیں کہ اس سورت کا ’’حجرات‘‘ اس وجہ سے ہے کہ جس آیت میں حجرات کا تذکرہ ہے وہ یہ دلالت کرتی ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کی غایت درجہ تعظیم واحترام نہیں کرتا وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں، اور یہ موضوع قرآن کے موضوعات میں ایک انتہائی اہم اور

بنیادی موضوع ہے‘‘(محاسن التأویل رجمال الدین القاسمی)

گویا حجرات والی آیت مقاصد قرآن میں بنیادی مقصد کی جانب اشارہ کرتی ہے،اس آیت کے مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اس کے ایک رمزی وعلامتی لفظ حجرات ’’مکانات نبوی‘‘ کو سورت کا نام دے دیا گیا،

استاد وھبۃ زحیلی ’’تفسیر منیر‘‘میں لکھتے ہیں:’’سمیت سورة الحجرات لأن الله تعالى ذكر فيها تأديب أجلاف العرب الذين ينادون رسول الله ﷺ من وراء الحجرات،وهى حجرات نسائه المؤمنات الطاهرات رضى الله عنهن،وكانت تسعا،لكل واحدة منهن حجرة، منعا من ايذاء النبى ﷺ وتوفيرا لحرمة بيوت أزواجه،وتسمى أيضا"سورة الأخلاق والآداب‘‘اس سورت کا نام’’حجرات اس مناسبت سے رکھا گیا ہے کہ’’حجرات‘‘والی آیت میں اللہ تعالی نے ان تندخو عرب بدوؤں کی تأدیب فرمائی ہے جو حضور ﷺ کو ازواج مطہرات کے حجروں کے قریب آ کر پکارتے تھے،تاکہ نبی ﷺ کی اس ایذاءرسانی پر ان کو تنبیہ ہو جائے اور لوگوں کے اندر ازواج مطہرات کے گھروں کے احترام کا مزاج پیدا کیا جائے،اس سورت کو’’سورۃ الاخلاق والآداب‘‘ بھی کہتے ہیں‘‘(التفسیر المنیر)

سورۃ الحجرات پر لکھی ہوئی چند تفاسیر اور مستقل کتب:

سورہ حجرات ایسے بنیادی قواعد اور اصولی ضوابط کے بیان،اور خاص ہدایات پر مشتمل ہے جن کی روشنی میں ایک ربانی معاشرہ کی تعمیر ہوتی ہے،اعلی اخلاقی قدروں کا حامل معاشرہ تشکیل پاتا ہے،یہ سورت انسانی معاشرہ کے لئے آداب واخلاق کی تربیت گاہ ہے،ایک مکمل مدرسہ ہے جہاں حسین ترتین آداب ومکارم اخلاق کے قالب میں انسان ڈھلتا چلا جاتا ہے،اس سورت کے مضامین کی اہمیت وعظمت کے پیش نظر بے شمار افراد نے حسب استطاعت اور حسب ذوق اس کی رہنمائی وہدایات پر قلم اٹھایا ہے،ہم ذیل میں چند کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں، جو عصر حاضر میں

سورہ حجرات کی تفسیر پر عربی زبان میں لکھی گئی ہیں، ان تمام کتابوں کا حوالہ ''عبدالعزیز بن سالم شامان الرویلی'' نے اپنے ایک مقالہ ''ثبت فی المؤلفات القرآنیۃ فی سورۃ الحجرات'' میں دیا ہے، اردو میں کوئی مستقل قابل ذکر کتاب ہماری نظر سے نہیں گذری؛

۱ – آداب قرآنية واحكام شرعية فى سورة الحجرات/ محمودمحمد حموده

۲ –الاخلاق الاجتماعية البانيةفى سورة الحجرات/ رضوان بن شقرون

۳ – الآداب الاسلامية فى سورة الحجرات/ محمود مهنا محموداسماعيل

٤ –الانوار الساطعات فى سورة الحجرات/محمود عبد اللطيف صالح

٥ – تفسير سورة الحجرات فى سورة الحجرات/مصطفى بن العدوى بن أحمدشلباية

٦ – التفسير التحليلى لسورة الحجرات/زينب كامل عبدالقادر خولى

۷ –المدارك الدقيقة فى محتويات سورة الحجرات/ رشيدخطيب الموصلى

۸ – المنهج القويم فى تفسير القرآن: درسة نظرية تطبيقية لسورة الحجرات/ عادل محمد صالح

۹ –بناء المجتع الربانى/عزت الجزار

۱۰ –تأملات فى سورة الحجرات/ زين العابدين الزويدى

۱۱ –تأملات فى سورة الحجرات/ عزت محمد حسن الاكثر

۱۲ – تفسير آيات الاحكام(لقمان:الاحزاب،حجرات) صبرة مرسى الرفاعى

۱۳ – تفسير آيات الاحكام فى سورة الحجرات/ سيد ذكى خليل ابراهيم

۱٤ –بيان سورة الحجرات لدعائم المجتمع المؤمن/فتحى عبدالرحمن عطيه

١٥–تفسير سورة الحجرات/ أحمد عبدالمهيمن قنصوه

١٦–تفسير سورة الحجرات/محمود محمود

١٧–تفسير سورة الحجرات/ابراهيم الجبالى

١٨–تفسير سورة الحجرات/على سيد أحمد على

١٩–تفسير سورتى الحجرات، ق،عرض وتحليل/عبدالوهاب عبدالعاطى

٢٠–دراسة تحليلية لسورة الحجرات/محمود لطفى محمد جاد

٢١–دراسات فى تفسير سورة الحجرات/جمال ابراهيم حافظ الشهاوى

٢٢– دعاء القرآن لاصلاح الفرد من خلال سورة الحجرات/على سيد يوسف الشيمى

٢٣– ركائز المجتمع المسلم فى سورة الحجرات/معوض عوض ابراهيم

٢٤–سبحات فى تفسير سورة الحجرات/رمضان عبد العزيزأحمد

٢٥–سورة الحجرات دراسة تحليلية/محمد على حجازى

٢٦–سورة الحجرات دراسة لغوية/حلمى السيدمحمود

٢٧–سورة الحجرات بين التفسير والتربية/محمد مصطفى رضوان

٢٨–سورة الحجرات دراسة تحليلية وموضوعية/ناصر بن سليمان العمر

٢٩–سياحة ايمانية فى سورة الحجرات،سورة مكارم الاخلاق/ محمود ماضى

٣٠–طيب الثمرات فى سورة الحجرات/جبر عزالرجال السيد أبوزيد

٣١–قبس من هدى سورة الحجرات/أحمد سعد الخطيب

٣٢–قراءة أصولية فى سورة الحجرات/أسامة أحمد محمد كحيل

٣٣– قصد الكلام فى معانى الآيات والأحكام فى سورة الفتح

والحجرات/ محمد عبدالله البدرى

٣٤– منهج الدعوة الاسلامية فى البناء الاجتماعى على ضوء ماجاء فى سورة الحجرات/ محمد بن محمد الامين الانصارى

٣٥– منهج الرسول فى تربية أصحابه على ضوء سورة الحجرات/فيصل بن على يحيى أحمد

٣٦– نظرات فى تفسير سورة الحجرات/محمد السيد سعد

٣٧– نظرات فى سورة الحجرات دراسة بلاغية/ أحمد عبدالجواد عكاشة

٣٨– هداية الطريق من سورة الحجرات/عبدالحميد محمود متولى

٣٩– هداية سورة الحجرات تفسيرا تحليليا/ أنور على أحمد

٤٠– وقفات مع سورة الحجرات ،دراسة لمنهج السورة فى كيفية اللدعوة الى تربية المجتمعات/سلمان سلامة عبد الملك

٤١– التربية الوقائية وأساليبها فى سورة الحجرات وتطبيقاتها التربوية/ خالد الفعر

٤٢– آداب التعامل فى ضوء سورة الحجرات/نورة حمود المعجل

٤٣– آداب المجتمع الاسلامى فى سورة الحجرات/ نسيبة شكرالله

٤٤– الآداب الاسلامية كما تصورها سورة الحجرات/ايمان سليمان ميمش

٤٥– الآداب الاجتماعية فى سورة الحجرات/ عبدالسلام حميد

٤٦– الدروس الدعوية فى سورة الحجرات/ تركى حمود الحربى

٤٧– سورة الحجرات دراسة اسلوبية/بلقاسم موناح

٤٨– سورة الحجرات منهج تربوى لمجتمع مثالى/ عبدالحميد عمرالأمين

٤٩– شرح سورة الحجرات من الزاوية التربوية/ياسين نورالدين كوريش

٥٠–فقه الحياة فى سورة الحجرات/يحيى البقاعى

٥١–قيم السلوك الادارى المستنبطة من سورة الحجرات وتطبيقاتها فى الادارة المدرسية/سعود بن عبدالجبار الحارثى

٥٢–مدى تطبيق المدرسة للقيم المستنبطة من سورة الحجرات/حامد سالم الحربى

٥٣–الوصايا التسع فى سورة الحجرات فى التعامل مع الناس/صلاح محروس زعرب

٥٤– البينات فى سورة الحجرات/عبد المجيد البيانونى

٥٥– تفسير سورة الحجرات/عبد الله جبرين

٥٦– سورة الحجرات بلغة الاشارة/ محمود محمد أبو ازغريت

٥٧– قواعد السلوك الاجتماعى فى سورة الحجرات/يحيى بن عبد الله المعلمى

٥٨– المنهيات فى سورة الحجرات/ على التويجرى

٥٩– نظرات فى سورة الحجرات/عبد الحميد بلبع

٦٠– مسائل نحوية فى سورة الحجرات المدنية/ مها العسكر

٦١–تفسير سورة الحجرات/ محمدبن عبد الوهاب

٦٢–أخلاق الدعاة فى سورة الحجرات، دراسة دعوية تحليلية/ على أذغو حاج

٦٣–تفسير سورة الحجرات/ فهد ناصر سليمان

٦٤– وقفات تربوية مع سورة الحجرات/نجلاء السبيل

٦٥– التربية الاخلاقية فى ضوء سورة الحجرات/ عبدالسلام اللوح

٦٦– أسس البناء الحضاری للمجتمع فی ضوء سورة الحجرات/ حامد الفریح

٦٧– الأوامر والنواهی فی سورة الحجرات/ عبد الله محمد الامین الشنقیطی

٦٨– الأحادیث الواهیة التی استدل بها ابن کثیر فی سورة الحجرات/ عبهرة العامودی

٦٩–التقدم بین یدی الله ورسوله، مفهومه،آثاره،ومسائله فی ضوء سورة الحجرات/نورالدین أحمد

٧٠ –ا لمجتمع المسلم فی ضوء سورة الحجرات/محمد سعید عرام

٧١–منهجیات التغییر والاصلاح فی ضوء سورة الحجرات/جمیلة محمود سعید

٧٢–الاحکام الشرعیة المستنبطةمن سورة الحجرات/عمار محمود خلف جراد

٧٣–تغییر الدلالة الصوتیة بتغییر المترادفات،دراسة تطبیقیة فی سورة الحجرات/عزة عدنان

ـ٧٤–قواعد المجتمع المسلم کما أرستها سورة الحجرات/محمد حسان

٧٥– تفسیر سورة الحجرات وابراز ما تحتویه من آداب وتشریعات/ کمال المهدی

سورہ حجرات کا اپنے ماقبل اور مابعد سے ربط وانسجام:

قرآن مجید متعدد پہلوؤں سے ایک زندہ جاوید معجزہ ہے، وہ اس ترتیب سے نازل نہیں ہوا ہے جس ترتیب سے آج ہمارے سامنے موجود ہے، جب قرآن کی کوئی سورہ یا آیت نازل

ہوتی حضور ﷺ اس کے بارے میں کاتبین وحی کو ہدایت فرماتے تھے کہ اس کو فلاں سورہ کے بعد فلاں آیت کے بعد لکھ لیا جائے، اسی لئے یہ ترتیب توقیفی کہلاتی ہے کہ اس میں انسانی اجتہاد کو کوئی دخل نہیں،

علوم قرآن میں ایک بہت نازک اور دقیق علم ''علم المناسبات'' یا نظم قرآن کا علم ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر سورہ اپنے ماقبل و مابعد سے، ہر آیت اپنے ماقبل و مابعد سے بڑا گہرا ربط وانسجام رکھتی ہے، سچی بات یہ ہے کہ اس میں بڑے گہرے اشارے اور اسرار پنہاں ہیں، علم نظم قرآن یا علم المناسبات القرآنیۃ کا بڑا گہرا ربط تفسیر موضوعی سے ہے، اس علم کی اہمیت مسلمہ حقیقت ہے، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، امام رازیؒ فرماتے ہیں :

أكثر لطائف القرآن مودعة في الترتيبات والروابط ۔ قرآن مجید کے بہت سے لطیف اشارے دراصل اس کی ترتیب و باہمی انسجام میں پنہاں ہیں (البرھان فی علوم القرآن ۱/۳۶)

سورۂ بقرہ کی تفسیر کے آخر میں فرماتے ہیں :''ومن تأمل لطائف نظم هذه السورة وفي بدائع ترتيبها علم أن القرآن معجز بحسب فصاحة ألفاظه وشرف معانيه ، فهو أيضا معجز بحسب ترتيبه ونظم آياته ، '' جو شخص اس سورہ کے نظم و ربط کے لطائف و رموز، اور اس کی حسن ترتیب پر غور کرے گا وہ جان لے گا کہ قرآن مجید صرف اپنے الفاظ کی فصاحت و بلاغت، اور بلند مفاہیم میں ہی معجزہ نہیں، بلکہ اپنی حسن ترتیب، اور آیات کے نظم وانسجام میں بھی معجزہ ہے'' (التفسیر الکبیر ۷/۱۳۹)

سورہ حجرات کا اپنے ماقبل اور مابعد کی سورت سے بڑا گہرا ربط وانسجام ہے، اس سورہ قبل سورہ ''الفتح'' ہے، اور اس کے بعد سورہ ''ق'' ہے، آیئے دونوں سورتوں کے مضمون اور مرکزی محور کے تناظر میں سورہ حجرات کے ربط پر غور کرتے ہیں،

''حجرات'' سے پہلے سورہ ''فتح'' ہے، یہ سورہ بھی مدنی ہے، اس سورہ میں دراصل صلح

حدیبیہ کی سپر اندازی کے بعد حضورﷺ اوران کے جاں نثار صحابہ کو فتح مبین کی نوید سنائی گئی ہے، ان کے بے مثال جاں نثارانہ کردار کی تعریف، اوران سے بہت سے غنائم کا وعدہ کیا گیا ہے، منافقین کے نفاق اور بے عملی کو بے نقاب کیا گیا ہے،سورہ کے آخری رکوع میں نبوت محمدی کی صداقت کے بیان کے ساتھ دین اسلام کی سر بلندی کا تذکرہ اور یہ واضح اعلان کیا گیا ہے کہ نبی آخرالزماں کا دین ہی تمام ادیان پر غالب آئے گا،خواہ کفر ونفاق کی طاقتوں کو کتنا ہی ناپسند کیوں نہ ہو، پھر اخیر میں اصحاب نبی کے امتیازی اوصاف، ان کی خداترسی وخلوص، کردار واخلاق کا سراپااوران سے مغفرت واجر عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے،سورہ حجرات کا اس سورہ سے جوربط وانسجام ہےاس کے لئے مندرجہ ذیل امور پرغور کرتے ہیں،

سورہ فتح میں صلح حدیبیہ کے واقعہ پر تبصرہ کیا گیا ہے، اور وہ صلح جو بہ ظاہر بہت سپراندازی کے ساتھ کی گئی تھی اس کو فتح مبین بتایا گیا ہے،اس وقت حضورﷺ اورآپ کے جاں نثار صحابہ جوکعبہ مشرفہ کے شوق دیداور عمرہ کے جذبہ سے سرشار احرام باندھ کر نکلے تھے ان کو نہ صرف یہ کہ روک دیا گیا تھا، بلکہ سخت ترین شرائط کے ساتھ ایک معاہدہ ہورہا تھا، جس میں بہ ظاہر بہت دب کر صلح کی جارہی تھی، کفار مکہ کی شرائط معاہدہ واقعی بہت سخت اور غیرت شکن تھیں، جس کو گوارا کرنا جاں نثار صحابہ کے لئے مشکل ہورہا تھا،ایک طرف عمرہ سے روکے جانے کا غم تھا دوسری طرف انتہائی سخت شرائط کوتسلیم کرتے ہوئے یہ معاہدہ حضورﷺ منظور فرمارہے تھے،جن صحابہ نے بدر واحد،خندق واحزاب میں اپنی صف شکن ہمت وجوانمردی، ایمانی غیرت وحمیت، اورنصرت خداوندی کے ذریعہ کفار کے لشکروں کواپنی قلت تعداد کے باوجود شکست کی خاک چٹائی تھی،اوران کے غرور کومٹا چکے تھے آج اتنی بڑی تعداد کے باوجودان کے دلوں پر بڑا شاق گذر رہا تھا کہ جس نبی آخرالزماں کے قدموں میں اپنی جانیں قربان کرنے کا وہ عہد وپیمان کر چکے تھے آج وہ بہ ظاہر کفار مکہ کے سامنے سپراندازی کے ساتھ ان کی سخت ترین شرائط کوتسلیم کر کے بغیر عمرہ کئے واپس جانے کا معاہدہ فرمارہے تھے، عین معاہدہ کے وقت ایک ستم رسیدہ، مظلوم وبےبس صحابی پابند زنجیر

کسی طرح آجاتے ہیں، اس وقت یہ جگر خراش منظر بھی حضرات صحابہ کو دیکھنا پڑتا ہے کہ اس مظلوم کو شرائط صلح کے مطابق کفار مکہ پھر شکنجہ ظلم وستم کے لئے واپس لے لیتے ہیں، ایسی صورتحال میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوتے ہیں، اور بارگاہ رسالت میں یوں عرض کرتے ہیں؛ ”کیا آپ ﷺ نبی برحق نہیں ہیں؟“، آپ ﷺ نے فرمایا؛ کیوں نہیں، حضرت عمرؓ عرض کرتے ہیں: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں، وہ عرض کرتے ہیں؛ ”فلم نعطی الدنیئة فی دیننا اذا“ پھر ہمیں اپنے عقیدہ برحق اور دین برحق کے معاملہ میں ایسی ذلت آمیز حالت سے کیوں دوچار ہونا پڑ رہا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا؛ ”میں نبی برحق ہوں، اور بال برابر حکم خداوندی سے سرتابی نہیں کرتا، یقیناً اللہ میری مدد فرمائے گا“ حضرت عمرؓ عرض کرتے ہیں؛ کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم عمرہ ادا کریں گے، بیت اللہ کی زیارت وطواف کریں گے، آپ ﷺ نے فرماتے ہیں؛ کیا میں نے یہ کہا تھا کہ ہم اسی سال عمرہ کریں گے؟ حضرت عمرؓ جواب دیتے ہیں، نہیں اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا؛ ”تو پھر یقین رکھو کہ تم طواف بھی کروگے اور عمرہ بھی کروگے“ اس گفتگو کے بعد حضرت عمرؓ اپنے ساتھی وہمدم حضرت صدیقؓ کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور یہی گفتگو کرتے ہیں،

آپ اس صورتحال پر غور کیجئے، صلح حدیبیہ کے سخت شرائط کو تسلیم کرنے کے پیچھے کیا حکمتیں پوشیدہ تھیں، فتح وکامرانی کے کون سے رازہائے سربستہ تھے، اس شکست خوردگی سے کیا نتائج نکلنے والے تھے یہ صرف اللہ احکم الحاکمین وعلام الغیوب کو معلوم تھا جس کے حکم پر یہ صلح ہورہی تھی، جاں نثار صحابہ اپنے جذبہ سے سرشار اور عمرہ نہ کرنے غم سے نڈھال تھے، ان کی حالت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سابق گفتگو سے عیاں ہے، ایک طرف اللہ کا حکم اور منصوبہ تھا جس کے تحت نبی آخرالزماں یہ صلح فرمارہے تھے، دوسری طرف جذبات ایمان، اور اشکہائے غم تھے جو حضرت عمرؓ کی اس گفتگو میں نظر آرہے ہیں، یہی تقریباً تمام جاں نثار صحابہ کے دل کی آواز تھی، یقیناً یہ کسی حکم صریح کی خلاف ورزی نعوذ باللہ نہیں تھی، بلکہ پردہ غیب کا ایک راز سربستہ تھا جو ان کی نظر

سے پوشیدہ تھا، ہم دیکھتے ہیں کہ سورہ فتح میں صلح حدیبیہ کے واقعہ پر تبصرہ اور حضرات صحابہ کے بے مثال جذبات، اور جاں نثارانہ کرادر کی تعریف اور مستقبل میں غنائم وعدہ کیا گیا ہے، اس کے بعد سورہ ''حجرات'' کے آغاز میں ''تقدم بین یدی اللہ والرسول'' کی ممانعت ہے، گویا ایک حکیمانہ اسلوب میں آئندہ کے لئے اشارہ کیا جارہا ہے کہ اللہ ورسول کے ہر حکم کو بے چون وچرا تسلیم کرنا چاہیئے، اس کے آگے اپنی رائے یا اپنے جذبات کا اظہار شان عبدیت اور حقیقت ایمان کے خلاف ہے، امام رازی اپنی تفسیر کبیر میں دونوں سورتوں کے ربط وانسجام پر گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ سورہ فتح اور سورہ حجرات کے درمیان تین وجوہ سے یہ ربط وانسجام ظاہر ہوتا ہے،

''فی بیان حسن الترتیب وجوه : أحدها، أن فی السورة المتقدمة لما ظهر منهم میل الی الامتناع مما أجاز النبی ﷺ من الصلح وترک آیة التسمیة، والرسالة، وألزمهم کلمة التقوی، کأن رسول الله ﷺ قال لهم علی سبیل العموم: لاتقدموا بین یدی الله ورسوله، ولاتتجاوزواما یأمر الله تعالی ورسوله، الثانی: هوأن الله تعالی لما بین محل النبی ﷺ وعلو درجته بکونه رسوله الذی یظهر دینه، وذکره بأنه رحیم بالمؤمنین بقوله: "رحیم" قال : لاتترکو من احترامه شیئا، لابالفعل ولا بالقول، ولاتغتروا برأفته، وانظروا الی رفعة درجته، الثالث: هو أن الله تعالی وصف المؤمنین بکونهم أشداء رحماء فیما بینهم راکعین ساجدین نظرا الی جانب الله تعالی، وذکر أن لهم من الحرمة عند الله ما أورثهم حسن الثناء فی الکتب المتقدمة بقوله: ذلك مثلهم فی التوراة والانجیل ، فان الملك العظیم لا یذکر أحدا فی غیبته الا اذا اکان عنده محترما، ووعدهم بالأجر العظیم، فقال فی هذه السورة لاتفعلوا ما یوجب انحطاط درجتکم، واحباط حسناتکم، ولاتقدموا" (التفسیر الکبیر)

سورہ الفتح اور حجرات کے درمیان حسن انسجام متعدد وجوہ سے ظاہر ہوتا ہے، پہلی بات یہ ہے سابق سورہ (الفتح) میں محسوس ہوتا ہے کہ جب حضور ﷺ کی منظور کی ہوئی صلح پر کبیدہ خاطری کا میلان ظاہر ہوا، مشرکین کے مطالبہ پر بسم اللہ نہ لکھنے اور مقام رسالت کا تذکرہ صلح کے مکتوب میں چھوڑنے پر صحابہ اکرام میں کچھ دل برداشتگی کے ساتھ اس صلح کو تسلیم نہ کرنے کا رجحان محسوس ہوا، حالاں کہ ان کو (کفار کی اشتعال انگیزیوں کے باوجود) تقوی کی بات کا پابند بنایا گیا تھا، تو گویا آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ سے زبان حال سے یہ فرما رہے تھے: اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے آگے نہ بڑھو، اللہ کے حکم سے سر مو تجاوز نہ کرو، دوسری بات یہ کہ اللہ تعالی نے سورہ الفتح میں حضور ﷺ کے مقام رسالت اور آپ کی عظمت و بلندی کا تذکرہ فرمایا ہے، بایں طور کہ یہی وہ نبی برحق ہیں جو اللہ کے دین کو تمام ادیان پر غالب کرنے کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں، قرآن میں یہ بھی تذکرہ ہے کہ وہ پیغمبر (اپنی عظمت و مقام بلند کے باوجود) انتہائی شفیق و مہربان ہیں، (سورہ فتح میں مقام رسالت کے اس تصور کی تذکیر کے بعد) یہاں سورہ حجرات میں یہ اشارہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارے کسی قول و فعل سے ان کی بے احترامی نہ ہونے پائے، ان کی محبت و شفقت کو دیکھ کر کوئی شخص ان کی عظمت و مقام بلند کو فراموش نہ کر بیٹھے، بلکہ ہر وقت ان کی عظمت و رفعت کا احساس دل میں رہنا چاہئیے، تیسری بات یہ کہ سورہ فتح کے اخیر میں اہل ایمان کی توصیف بیان کی گئی ہے کہ وہ آپس میں ریشم کی طرح نرم، اور کفار کے لئے سخت ہیں، اپنے رب کے حضور رکوع و سجدہ بجالاتے ہیں، ان صفات کے ساتھ یہ تذکرہ کیا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ ایسے محترم ہیں کہ کتب سماویہ سابقہ تورات وانجیل میں بھی نبی کے ایسے رفقاء کی تعریف بیان کی گئی تھی، ظاہر ہے کہ ملک الملوک، احکم الحاکمین کسی کی تعریف اس کے غیاب میں صرف اپنے نزدیک اس کے قابل احترام ہونے کی وجہ سے ہی کرسکتا ہے، اسی لئے ان سے اجر عظیم کا وعدہ سورہ فتح میں کیا گیا ہے، اس سب کے بعد سورہ حجرات کے آغاز میں اشارہ کیا گیا کہ دیکھو نہ تو کوئی ایسا کام ہونے پائے جو تمہارے بلند مقام کو زائل کردے، اور تمہاری نیکیوں کو ختم کردے، اور نہ ہی تم اللہ کے حکم سے آگے

بڑھو"

یہ امام رازی رحمہ کی تفسیر کا خلاصہ ہے جو انہوں نے دونوں سورتوں کے نظم سے متعلق ارشاد فرمایا ہے، سورہ فتح کے آخری رکوع اور سورہ حجرات کے آغاز کے درمیان تو ربط وانسجام بہت واضح ونمایاں ہے، جہاں آنحضرت ﷺ کے مقام رسالت کا تذکرہ، آپ کی عظمت کا بیان ہے، جاں نثار صحابہ کی مدح وتوصیف بیان کی گئی ہے، سورہ حجرات کے آغاز میں بھی حضور ﷺ کی عظمت ورفعت کا تذکرہ، آپ کے سامنے ادب وتواضع کا حکم دیا گیا ہے اور جن صحابہ کی اوپر تعریف کی گئی تھی اب ان کو یہ تنبیہ کی جارہی ہے کہ ایسا نہ ہو ان سے بے شعوری میں کوئی ایسا عمل سرزد ہو جائے جو ان کے حسنات اور اعمال صالحہ کو ضائع کردے،

ابن حیان البحر المحیط میں فرماتے ہیں:"مناسبتها لآخر ماقبلها ظاهرة، لأنه ذكر رسول الله ﷺ وأصحابه ثم قال: وعد الله الذين آمنوا وعملوا الصالحات، فربما صدر من المؤمن عامل الصالحات بعض شئى مما ينبغي أن ينهى الله عنه، فقال: يا أيها الذين آمنوا لا تقدموا بين يدى الله ورسوله "(البحر المحیط اندلسی) اس سورت کی مناسبت ماقبل کی سورت کے آخری مضمون کے ساتھ عیاں ہے، وہاں حضور ﷺ اور صحابہ اکرام کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس کے بعد اللہ تعالی نے یہ فرمایا ہے کہ ایمان واعمال صالحہ اختیار کرنے والوں سے اللہ تعالی نے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے، ہوسکتا ہے کہ عمل صالح پر قائم رہنے والے کسی مومن سے کوئی ایسا عمل سرزد ہو جائے جس سے اللہ تعالی منع فرمایا ہے، چنانچہ اجر عظیم کے وعدہ کے بعد یہ تذکیر اہل ایمان کو یہاں کی جارہی ہے کہ ہوشیار رہیں، فرمایا گیا: اے ایمان والو! اللہ ورسول کے حکم سے آگے نہ بڑھو"

بہرحال یہ تو سورہ حجرات کے ماقبل کی سورت کے ساتھ موضوعی ربط کا کچھ تذکرہ تھا، مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم فرماتے ہیں:"یہ سورت سابق سورہ الفتح کا ضمیمہ وتتمہ ہے، سورہ فتح کی آخری آیت میں توریت کے حوالہ سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ جو صفت وارد

ہوئی تھی ''محمد رسول الله،والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم '' محمداللہ کے رسول اور جوان کے ساتھ ہیں کفار کے لئے سخت اور باہم دگر نہایت مہربان ہوں گے، یہ پوری سورت گویا اسی ٹکڑے کی تفسیر ہے'' (تدبر قرآن ۷/۴۷۹)

اس کے بعد سورہ ''ق'' ہے، یہ سورت مکی ہے، اب آیئے دیکھتے ہیں کہ مابعد میں سورہ ''ق'' کے ساتھ اس کا کیا ربط ہے:

سورہ حجرات اور سورہ ''ق'' کے مابین ربط سے متعلق ابن حیان اندلسی فرماتے ہیں'' لما ختم هذه -الحجرات- بأولئك الذين قالوا آمنا ولم يكن ايمانهم حقا، وانتفاء ايمانهم دليل على انكار نبوة الرسول ﷺ، فقال فى السورة التى تليها: بل عجبوا أن جاء هم منذر منهم، وعدم الايمان أيضا يدل على انكار البعث،فذلك أعقبه به" (البحر المحيط الاندلسى''

''سورۃ الحجرات ان لوگوں کے تذکرہ پر ختم ہوتی ہے جنہوں نے صرف زبان سے ایمان کا اظہار کیا مگر ان کا ایمان مبنی بر حقیقت نہیں تھا، قرآن میں ان کے ایمان کی نفی اس کی دلیل ہے کہ وہ نبوت کے منکر ہیں، ایسے لوگوں کے تذکرہ کے بعد اب سورہ ''ق'' کے آغاز میں منکرین رسالت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: انہیں تعجب ہوتا ہے کہ ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا ان کے پاس آیا ہے، نیز عدم ایمان آخرت کے انکار پر بھی دلالت کرتا ہے، اسی لئے سورہ ''ق'' میں آخرت اور بعث بعد الموت کا مضمون ہے''

علامہ بقاعیؒ نے ایک اور پہلو سے دونوں کے درمیان ربط وانسجام کا اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں:'' لما ختم سبحانه الحجرات باحاطة العلم قال فى أول السورة التى تليها:"ق" اشارة الى أنه هوسبحانه وحده المحيط علما وقدرة،بما له من العلو، والشدة،والقوة القيومية والقهر،ونافذالقضاء والفتح لما أراد من المغلقات،بما أشارت اليه القاف بمخرجها المحيط بما جمعه مسماها من

المخارج الثلاث الحلق،واللسان والشفاۃ '' سورۃ الحجرات کے اختتام پر اللہ تعالی نے اپنے علم محیط کا تذکرہ فرمایا ہے، کہ وہی عالم الغیب والشھادہ ہے، اس کے بعد کی سورت حروف مقطعات میں ''ق'' سے شروع ہوتی ہے، یہ اشارہ ہے کہ وہی وحدہ لاشریک جس کا علم اور قدرت وسیع ولامحدود ہے، وہی بلند وبالا، وہی شدید وقوی اور قیوم ہے، وہی قاہر وغالب ہے، وہی فیصلے فرمانے والا اور رازہائے سربستہ کو کھولنے والا ہے، یہ سب اشارے ایک حرف ''ق'' کے ہیں کہ اس کا مخرج بھی محیط وجامع ہے کہ وہ حلق، زبان، اور ہونٹ سے ادا ہوتا ہے''

سورۃ الحجرات اپنے مضمون ومشتملات میں دونوں سورتوں کے درمیان انگوٹھی میں نگینہ کی طرح محسوس ہوتی ہے، صرف یہی نہیں قرآن مجید کی ہر آیت اور ہر سورت واقعی ایک معجزہ ہے،

سورۃ حجرات کا شان نزول:

سورہ حجرات کی ابتدائی آیات جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ادب وتواضع اختیار کرنے کے صریح حکم پر مبنی ہیں ان سے متعلق کتب احادیث میں بعض واقعات ملتے ہیں، جن سے ان آیات کے مضمون، اسلوب اور پس منظر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، شان نزول کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہوتا کہ یہ آیت یا سورت فلاں واقعہ سے متعلق ہے، اور اس کا انطباق صرف اس پر ہوتا ہے، بلکہ شان نزول کے واقعات سے دراصل آیت یا سورت کے مضمون کی تفصیلی وضاحت ہوجاتی ہے، اور اس کے مضمون کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، ورنہ قرآن مجید کا نزول تو دراصل انسانی زندگی کی ہدایت اور نفوس کے تزکیہ کے لئے ہوا ہے، خاص واقعات خاص آیات ومضامین کے نزول کا سبب بنے ہیں، جزوی واقعات اصل اور بنیادی سبب نزول نہیں ہوتے، اسی لئے اصول تفسیر کا قاعدہ ہے: ''العبرۃ بعمو اللفظ لا بخصوص السبب '' کہ خاص اسباب نزول کے بجائے قرآن مجید کے الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے۔

مولانا اصلاحی مرحوم فرماتے ہیں: ''قرآن میں احکام وہدایات کا نزول حالات کے

تقاضوں کے تحت ہوا ہے، تاکہ لوگوں پر ان کی صحیح قدر و قیمت واضح ہو سکے، چنانچہ یہ سورت بھی ایسے حالات میں نازل ہوئی ہے جب نئے نئے اسلام میں داخل ہونے والوں کی طرف سے ایسی باتیں سامنے آئیں جن سے ظاہر ہوا کہ یہ لوگ نہ تو رسول کے ہی اصلی مقام و مرتبہ سے ہی اچھی طرح واقف ہیں اور نہ اسلامی معاشرہ کے اندر اپنی ذمہ داریوں ہی سے، چنانچہ اس ضمیمہ میں ضروری ہدایات دے دی گئیں جو اس وقت کے حالات کے اندر ضروری تھیں'' (تدبر قرآن ۷/۴۷۹)

بہر حال یہاں صرف آیات کے نزول کے پس منظر کو سمجھنے کے لئے چند واقعات ذکر کئے جاتے ہیں، امام ابن جریر طبری اور ابن کثیر وغیرہ نے حضرت قتادہ کا یہ قول ذکر کیا ہے جو بہ ظاہر دیگر اقوال کے مقابلہ راجح معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی آیت ''یا أیھا الذین آمنوا لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ '' ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو یہ کہا کرتے تھے: '' لو أنزل اللہ فی کذا کذا '' کاش کہ اللہ فلاں بات کے بارے کچھ نازل فرمادیتا'' اللہ نے اس کو ناپسند فرمایا اور یہ آیت نازل فرمائی، صاحب ''زادالمسیر'' نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ آیت عمرو بن أمیہ الضمری کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے حضورﷺ کی اجازت کے بغیر بنوسلیم کے دو افراد کو قتل کر دیا تھا،

صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں یہ روایت ہے کہ حضورﷺ کی خدمت میں بنوتمیم کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا، اس موقع پر وفد کا امیر کون ہو، اس بات پر کچھ تکرار کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی آواز بلند ہوگئی، تو یہ حجرات کی ابتدائی آیات ''یا أیھا الذین آمنوا لا ترفعوا أصواتکم '' نازل ہوئیں، روایت یہ ہے:

''عن ابن أبی ملیکة قال:کاد الخیران أن یھلکا، أبوبکر وعمر رضی اللہ عنھما، رفعا أصواتھما عند النبی ﷺ حین قدم علیه رکب بنی تمیم، فأشار أحدھما بالأقرع بن حابس أخی بنی مجاشع، وأشار الآخر

برجل آخر – قال نافع لا أحفظ اسمه – فقال أبوبكر لعمرؓ: ماأردت الا خلافی، قال: ماأردت خلافك، فارتفعت أصواتهما فی ذلك، فأنزل الله: يا أيها الذين آمنوا لا ترفعوا أصواتكم فوق صوت النبی الآية، قال ابن الزبير: فما كان عمر يسمع رسول الله ﷺ بعد هذه الآية حتی يستفهمه، ولم يذكر ذلك عن أبيه يعنی أبی بكر" (رواہ البخاری ۴۸۴۵) ابوملیکہ سے روایت ہے کہ حضرات صحابہ میں سب سے بہتر افراد ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم قریب تھا کہ ہلاک ہوجاتے، ان سے قبیلہ بنوتمیم کے افراد کی آمد کے موقع پر مجلس نبوی میں آواز بلند کرنے کی غلطی ہوگئی تھی، ایک کا کہنا تھا کہ اقرع بن حابس امیر ہوجائیں، دوسرے نے ایک اور شخص کی تجویز ظاہر کی، نافع کہتے ہیں مجھے اس کا نام یاد نہیں رہا، تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا، تم تو بس میری مخالفت کرتے ہو، انہوں نے جواب دیا، میں نے تمہاری مخالفت بالکل نہیں کی، اسی مسئلہ میں دونوں کی آواز بلند ہوگئی، پس اللہ تعالی نے یہ آیات "اے ایمان والو! اپنی آواز نبی کے آواز کے سامنے بلند نہ کرو، اور نہ انہیں زور سے پکارو، جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، ابن زبیر فرماتے ہیں اس وقعہ کے بعد حضرت عمرؓ کی حالت تو یہ ہوگئی تھی کہ آنحضرت ﷺ سے گفتگو کے وقت حضور ﷺ کو اپنی آواز مشکل سے ہی سنا پاتے تھے، اتنا آہستہ بولتے کہ آپ ﷺ کو بسا اوقات معلوم کرنا پڑتا تھا"

صاحب زادالمسیر نے ایک روایت "ان الذين يغضون أصواتهم" اس آیت کے نزول سے متعلق ذکر ہے، یہی روایت مسند بزاراور مستدرک حاکم میں معمولی فرق سے ساتھ مذکور ہے، حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں:" لما نزل قوله: ياأيهاالذين آمنوا لا ترفعوا أصواتكم" تألی ابوبكرؓ أن لا يكلم رسول الله ﷺ الا كأخی السرائر، فأنزل الله فی أبی بكرؓ: ان الذين يغضون أصواتهم عند رسول الله الخ" جب یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! حضور ﷺ کے سامنے آواز بلند نہ کرو، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قسم کھائی کہ کبھی آنحضرت ﷺ کے سامنے اونچی آواز میں بات نہیں کریں گے،

بلکہ رازدارانہ سرگوشی کی طرح بات کریں گے، تب ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی: ''جو لوگ اللہ کے رسول کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ نے تقوی کے لئے جانچ لیا ہے، ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے''

ان دونوں روایات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرات صحابہ کے اداب وتواضع اور اللہ کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا کیسا بلند ترین ذوق تھا،

اس کے بعد کی آیت ''إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ'' کے بارے میں کتب تفسیر وحدیث میں ایک واقعہ بنو تمیم کی آمد کا مذکور ہے، ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ یہ آیت بنو تمیم کے بداخلاق بدؤں کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جن میں اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن، زبرقان بن بدر اور قیس بن عاصم وغیرہ حضرات تھے، ابن کثیرؒ نے بھی ذکر کیا ہے کہ یہ آیت اقرع بن حابس تمیمی کے بارے میں نازل ہوئی تھی، اور انہوں نے مسند احمد کے حوالہ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ اقرع بن حابسؓ حاضر خدمت ہوئے اور حضور ﷺ کو پکارتے ہوئے کہا ''یا محمد، یا محمد اخرج، وفی روایة یا رسول الله، فلم یجبه، فقال: ان حمدی لزین، وان ذمی لشین، فقال ذاك الله '' اے محمد، اے محمد! ایک روایت میں ہے کہ اس طرح پکارا اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے جب کوئی جواب نہ دیا، تو انہوں نے کہا: میری بیان کردہ مدح وتوصیف قابل تعریف اور بہت عمدہ، اور ہجو و مذمت بہت خراب ہوتی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ کیا کہہ رہے ہو، یہ اللہ سے خوف کا مقام ہے''

اس واقعہ کی مزید تفصیل حضرت جابرؓ کی زبانی واحدی نے اسباب النزول میں ذکر کی ہے، فرماتے ہیں کہ بنو تمیم کے لوگ حاضر خدمت ہوئے، اور آپ ﷺ کو پکار کر یوں کہا: ''ان مدحنا زین، وان ذمنا شین '' ہماری بیان کی ہوئی مدح وتوصیف بہت عمدہ ہوتی ہے، اور مذمت وہجو بہت تلخ'' آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: یہ اللہ سے خوف ولحاظ کا مقام ہے، ان لوگوں نے عرض کیا: ہم بنو تمیم کے قبیلہ سے ہیں، '' جئنا بشاعرنا وخطیبنا، نشاعرك

ونفاخرك ’’ہم اپنے ساتھ اپنے خطیب اور شاعر کو لیکر آئے ہیں، آپ کے ساتھ شاعری اور قومی مفاخرت کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛ ’’ما بالشعر بعثت ولا بالفخار أمرت ‘‘ مجھے نہ تو شاعری کے لئے مبعوث کیا گیا ہے، اور نہ قومی فخر و غرور کا حکم دیا گیا ہے‘‘ لیکن آؤ، دیکھتے ہیں، چنانچہ زبرقان بن بدر نے ایک نوجوان کو اشارہ کیا، اور کہا کہ اپنے اور اپنی قوم کے فضائل و مناقب بیان کرو، اس نے ایسا ہی کیا، آنحضرت ﷺ نے ثابت بن قیس کو حکم دیا، انہوں نے آپ ﷺ کی طرف سے جواب دیا، پھر ان کے شاعر نے اشعار سنائے، اور حضرت حسان بن ثابت نے اس کا جواب دیا، اقرع بن حابس نے س موقع پر کہا؛ مجھے نہیں سمجھ میں آرہا ہے کہ ماجرا کیا ہے؟ ہمارے خطیب نے گفتگو کی، لیکن واقعی ان کا خطیب ہمارے مقابلہ زیادہ عمدہ تھا، ہمارے شاعر نے اپنا فن دکھایا، مگر ان کا شاعر ہمارے مقابلہ زیادہ بہتر تھا، پھر انہوں نے آگے بڑھ کر اسلام قبول کیا، حضور ﷺ نے ان کا اکرام فرمایا، اور خلعت سے نوازا، اس موقع پر کچھ آوازیں بلند ہوئیں، شور ہنگامہ ہوا، تب یہ آیات نازل ہوئیں‘‘

یقیناً واحدی کے بیان کردہ اس واقعہ میں پوری تفصیل آگئی ہے، جس سے واقعہ کے تمام پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے، تمام روایات سے یہ واضح ہے کہ مذکورہ آیات بنو تمیم کے وفد کی آمد اور اس موقع پر پیش آمدہ صورتحال کے پس منظر میں نازل ہوئی تھیں،

اس کے بعد جو آیت ہے ’’يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ‘‘ ان آیات کے تعلق سے بھی ایک واقعہ مسند احمد میں ملتا ہے،

حارث بن ضرار خزاعی فرماتے ہیں؛ کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی، میں نے اسلام قبول کرلیا، آپ ﷺ نے مجھے زکوۃ کے کچھ احکام بتائے، میں نے اس کا بھی اقرار کرلیا، اور یہ عرض کیا کہ اللہ کے رسول! میں اپنی قوم کے پاس جارہا ہوں، انہیں بھی اسلام میں داخل ہونے اور زکوۃ ادا کرنے کی دعوت دوں گا، جو شخص بھی میری بات

قبول کرلے گا میں اس کی زکوۃ وصول کر کے رکھ لوں گا، آپ سے گذارش ہے کہ فلاں مہینہ کے آغاز میں کسی کو بھیج دیں، میں وہ جمع شدہ اموال زکوۃ اس کے حوالہ کر دوں گا،

پس جب حارث بن ضرار نے اسلام قبول کرنے والوں سے زکوۃ وصول کرلی، اور حسب وعدہ وہ وقت آیا جس میں آنخضرت ﷺ کے کسی قاصد کا آنا طے تھا، وہ قاصد نہیں آسکا، ادھر حارث بن ضرار کو یہ خدشہ ہوا کہ شاید کوئی ایسی بات پیش آگئی جس کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول ناراض ہوگئے، اسی لئے کسی کو نہیں بھیجا، انہوں نے اپنی قوم کے سرکردہ افراد کو جمع کیا اور یہ کہا کہ حضور ﷺ نے زکوۃ کی وصولیابی کے لئے اپنے کسی قاصد کو بھیجنے کا ایک وقت طے فرمایا تھا، اور حضور ﷺ یقیناً وعدہ کی خلاف ورزی نہیں فرماتے ہیں، میرا خیال ہے کہ شاید کسی ناراضی وجہ سے حضور ﷺ نے نہیں بھیجا، اب ہم سب لوگ خود چل کر حاضر خدمت ہوتے ہیں،

حضور ﷺ نے حارثؓ کے پاس زکوۃ کے وصولیابی کے لئے ولید بن عقبہ کو بھیجا تھا، ولید نکلے تھے، مگر آدھے راستے سے ڈر کر واپس آگئے، اور حضور ﷺ کے پاس آکر یہ خبر دے دی تھی کہ حارث نے زکوۃ دینے سے انکار کردیا، بلکہ انہوں نے میرے قتل کا ارادہ بھی کیا تھا، یہ سن کر حضور ﷺ نے حارث اور ان کی قوم کی جانب ایک جماعت کو بھیجنے کا حکم فرمایا، ادھر سے حارث اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نکلے، جب دونوں کی راستے میں ملاقات ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ یہی تو حارثؓ ہیں، جب لشکر نے ان کو گھیر لیا تو حارث نے پوچھا کہ تم لوگ کس مہم پر اور کس کی جانب بھیجے گئے ہو، انہوں نے جواب دیا کہ تمہاری جانب! معلوم کیا کہ کیوں؟!! تب ان لوگوں نے بتایا کہ حضور ﷺ نے تم سے زکوۃ کی وصولیابی کے لئے ولید کو بھیجا تھا، مگر تم نے انکار کردیا اور ان کو قتل بھی کرنے کا ارداہ کیا، حارث نے حیرت سے جواب دیا: اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو حق لیکر بھیجا ہے، میں نے ولید کو نہ تو دیکھا ہے اور نہ وہ میرے پاس آئے ہیں،

پھر جب حارثؓ خود حاضر خدمت ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا: کہ تم نے زکوۃ کی وصولیابی سے انکار کیا، اور تم نے ولید کو قتل بھی کرنے کا ارداہ کیا، حارث نے حیرت سے جواب دیا:

اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق لیکر بھیجا ہے، میں نے ولید کو نہ تو دیکھا ہے اور نہ وہ میرے پاس آئے ہیں، اور میں تو اسی لئے حاضر خدمت ہوا ہوں کہ شاید اللہ اور اسکے رسول ناراض ہیں، اور اسی ناراضگی کی وجہ سے آپ نے کسی کو زکوۃ کی وصولیابی کے لئے نہیں بھیجا، تب سورہ حجرات کی یہ آیت ''یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِن جَاءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَیَّنُوا أَن تُصِیبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ'' نازل ہوئی، یہ روایت سندا بھی کمزور ہے، اور درایۃ بھی اس میں بہت جھول معلوم ہوتا ہے،

اسی طرح یہ آیت ''وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِینَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَیْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِی تَبْغِی حَتَّى تَفِیءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَ تْ فَأَصْلِحُوا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِینَ'' ہے، اس کے تعلق سے بعض روایات میں اشارۃ ایک واقعہ منقول ہے کہ یہ آیت اس واقعہ کے پس منظر میں نازل ہوئی،

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ سے یہ درخواست کی گئی کہ اگر آپ عبداللہ بن اُبی کے پاس تشریف لے چلیں تو بہتر ہوگا، چنانچہ آپﷺ ایک خچر پر سوار ہوکر نکلے، کچھ مسلمان بھی آپ کے ساتھ ساتھ نکلے، ایک بنجر زمین سے گذر رہے تھے، جب حضورﷺ اس کے پاس پہنچے تو کہنے لگا کہ: مجھ سے دور ہٹ جاو، تمہارے خچر کی بد بو سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے، ایک انصاری صحابی نے فرمایا؛ خدا کی قسم حضورﷺ کے خچر کی بو خود تمہاری بو کے مقابلہ زیادہ پاکیزہ اور بہتر ہے، اس کی قوم کا ایک شخص غصہ ہوا، اور گالی دینے لگا، پس دونوں جانب سے لوگوں کو غصہ آیا، اور ہاتھ، چپل، لکڑی سے لڑائی شروع ہوگی، ''فبلغنا أنها أنزلت'' ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ آیت اس وقعہ کے پس منظر میں نازل ہوئی تھی، (بخاری)

اس سورت کی گیارہویں آیت ''یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا یَسْخَرْ قَومٌ مِّن قَوْمٍ عَسَى أَن یَکُونُوا خَیْراً مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَى أَن یَکُنَّ خَیْراً مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِیْمَانِ'' کے بارے میں مسند احمد میں ایک واقعہ مذکور ہے، حضرت اُبو جبیرہ بن ضحاک فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے بنوسلمہ کے قبیلہ

کے بارے میں نازل ہوئی تھی، فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہمارے قبیلہ میں ہر شخص کے دو یا تین نام ہوتے تھے، چنانچہ جب آپ ان میں سے کسی شخص کو کسی نام سے بلاتے تھے تو لوگ بتاتے کہ اس نام سے تو فلاں شخص غصہ ہو جائے گا، تب یہ آیت نازل ہوئی ''ولا تنابزوا بالألقاب'' (مسند احمد ۱۸۲۸۸)

یہ چند روایات سورہ حجرات کی مختلف آیات کے شان نزول سے متعلق تھیں، ان کے علاوہ اور بھی واقعات منقول ہیں، سورت کے مضامین کو سمجھنے کے لئے ان پر ایک اجمالی نظر ڈالنا ضروری تھا، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام کس کے طرح کے صالح، پاکیزہ، بااخلاق اور خداترس معاشرہ کی تشکیل کرتا ہے، کس قسم کی انسانی اور اخلاقی کمزوریوں سے بچاتا ہے، اور معاشرہ کے تحفظ کے لئے کیا رہنما خطوط فراہم کرتا ہے، اوپر مذکور جزوی واقعات کو مفسرین نے اسباب نزول کے طور پر بیان کیا ہے، ضروری نہیں کہ صرف یہی واقعہ سبب بنا ہو، کبھی حضرات صحابہ ان واقعات کو جن پر آیت کا مضمون منطبق ہوتا تھا ان کے بارے میں ''نزلت فی کذا'' کہتے تھے یعنی یہ آیت اس واقعہ میں نازل ہوئی تھی، اس سورت کے مضامین پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ادب و تواضع کا مزاج، اور حقیقت اسلام و ایمان کا ذوق جن لوگوں کے اندر ابھی پختہ نہیں ہوا تھا، ان سے بے شعوری طور پر ہی سہی کچھ کمی واقع ہو رہی تھی، یا باہم اسلامی معاشرہ میں ایک دوسرے کے ساتھ رہنے میں بد اخلاقی یا کسی کی حق تلفی ہو رہی تھی ان لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے، مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کی یہ بات دل کو لگتی ہے:

''خطاب اگرچہ عام مسلمانوں سے ہے مگر جن لوگوں کا رویہ اس سورہ میں زیر بحث آیا ہے، جیسا کہ آگے کی آیات سے بتدریج واضح ہوتا جائے گا، اطراف مدینہ کے بدوی قبائل کے وہ لوگ ہیں، جو اسلام کی ابھرتی ہوئی طاقت سے متأثر ہو کر مسلمانوں میں شامل تو ہو گئے تھے، لیکن ایمان ابھی ان کے دلوں میں اچھی طرح رچا بسا نہیں تھا، اس کی وجہ اول تو یہ تھی کہ یہ لوگ اسلام کو سمجھ کر نہیں بلکہ اس سے مرعوب ہو کر اس میں داخل ہوئے، ثانیاً مرکز سے بے تعلق رہنے کے سبب

سے ان کی تربیت بھی اچھی طرح نہیں ہوئی تھی، ان کے اندر ایک غلط قسم کا پندار بھی تھا کہ انہوں نے کسی جنگ کے بغیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر لی، جو آپ پر ان کا ایک احسان ہے، اس پندار کا اثر یہ تھا کہ جب ان کے سردار مدینہ آتے تو آنحضرت ﷺ سے اس انداز سے بات کرتے گویا وہ اسلام کے بڑے مربی ومحسن ہیں، بغیر اس کے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاملہ میں ان کی رائے دریافت کریں، آگے بڑھ بڑھ کر اپنی رائیں پیش کرتے، اور مشورے دینے کی کوشش کرتے، بات کرتے ہوئے اپنی آواز حضور ﷺ کی آواز پر تفوق کے اظہار کے لئے بلند رکھتے، جب کبھی آتے تو ان کی خواہش یہ ہوتی کہ حضور ﷺ بلا تاخیر سارے کام چھوڑ ان سے ملاقات کریں، اور اگر ذرا تاخیر ہو جاتی تو بے درنگ آپ کو حجروں کے باہر سے اس طرح آواز دینا شروع کر دیتے جس طرح ایک عام آدمی کو آواز دی جاتی ہے، آپس میں ان کے درمیان جو جاہلی رقابتیں زمانہ جاہلیت سے چلی آرہی تھیں، ان میں ہر ایک آنحضرت ﷺ کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کرتا، اور اس غرض کے لئے وہ اپنے حریفوں سے متعلق بعض اوقات وہ ایسی خبریں بھی آنحضرت ﷺ تک پہنچاتے جو غلط فہمی پیدا کرنے والی ہوتیں، ان کی بناء پر اگر مدینہ کے مسلمان اگر کوئی اقدام کر گذرتے تو یہ چیزیں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے لئے مضر ہوتی، یہ حالات تھے جن میں یہ سورت نازل ہوئی، اس میں روے تو زیر بحث جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ایک مخصوص گروہ ہی کا ہے، لیکن قرآن نے خطاب عام ہی رکھا ہے، تا کہ اس کا زیادہ فضیحتا بھی نہ ہو اور وہ رخنے بھی بند ہو جائیں جن سے شیطان کو معاشرہ کے اندر فتنہ انگیزی کی راہ مل سکتی ہے'' (تدبر قرآن)

خصوصی واقعات شان نزول پر بھی یقیناً مختلف آیات کا مضمون منطبق ہوتا ہے، اسی لئے یہ واقعات غیر متعین طور پر متعدد منقول ہیں، مگر مذکورہ بالا صورتحال کا عمومی وجود ان حکام وہدایات کا اصل سبب تھا،

سورہ حجرات کے مضامین پر ایک اجمالی نظر:

یہ سورت آداب واخلاق کے انتہائی اہم مضامین پر مشتمل ہے، علامہ جمال الدین قاسمی

اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:" وقد انفردت هذه السورة بآداب جليلة أدب الله بها عباده المؤمنين فيما يعاملون به نبيه ﷺ من التوقير والتبجيل" یہ سورت ایسے بلند ترین آداب کے بیان پر مشتمل ہے، جن کو اللہ اپنے ایمان والے بندوں کو سکھاتا ہے، تاکہ وہ اللہ کے نبی کی عظمت وتوقیر، اور احترام کا خیال رکھیں"

سورت کی تفصیلی تشریح سے پہلے سورت کے مضامین اور محاور پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں، اور اس سورت کی آیات کے موضوعی وحدات کو دیکھتے ہیں،

۱- آیت نمبر ایک سے آیت پانچ تک تک یہ مضمون ہے کہ اہل ایمان کو چاہیئے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ آداب کا خیال رکھیں، تواضع اختیار کریں، گفتگو وتخاطب میں عام لہجہ، یا نامناسب اسلوب اختیار نہ کریں، ان کے مقام ومرتبہ، عظمت وبلندی کا خیال رکھیں، مقام نبوت کا ادب ملحوظ رکھنا اور تواضع اختیار کرنا، اللہ ورسول کے حکم سے آگے نہ بڑھنا، اس کے مقابلہ اپنی رائے کو مقدم نہ کرنا یہ وہ بنیادی اوصاف ہیں جن کی وجہ سے ایک بندہ مومن کے قلب کو اللہ تقوی کے لئے منتخب فرمالیتا ہے، اور ایسے متواضع وادب ملحوظ رکھنے والے ہی دراصل اجر عظیم کے مستحق ہوتے ہیں، اگر بے شعوری میں حد ادب ملحوظ نہ رہے، یا انداز تخاطب مناسب نہ ہو تو یہ گستاخی انسان کے اعمال صالحہ کو ضائع کرسکتی ہے،

۲- آیت نمبر چھ میں اہل ایمان کو یہ تذکیر کی گئی ہے کہ سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے اور کوئی اقدام کرنے کے بجائے تحقیق وتصدیق کا معیار اختیار کرنا چاہیئے،

۳- آیت سات اور آٹھ میں یہ تذکیر کی گئی ہے کہ پیغمبر خدا تمہارے درمیان ہیں، ان پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے، وہ اسی کے پابند ہیں، تمہاری آراء وخواہشات خواہ کتنی ہی بہتر کیوں نہ دکھائی دیتی ہوں وہ نہ تو ان کے پابند ہیں، اور نہ ہی وہ اس لائق ہیں کہ ان خواہشات کا نبی احترام کریں، اللہ نے ایمان وتقوی کے لئے اگر تم کو منتخب کیا ہے کہ یہ محض اس کی توفیق نیک اور فضل وانعام ہے، اس کا ادراک وشعور ہر بندہ مومن کو ہونا چاہیئے،

۴-آیت نو اور دس میں اہل ایمان کو یاد دلایا گیا ہے کہ ان کے معاشرہ میں ان کا باہمی تعلق اخوت و ہمدردی، اصلاح و تعاون کے مخلصانہ جذبات پر مبنی ہونا چاہئے، ہرگز کسی قسم کی گروہی، قبائلی عصبیت نہ ہو، عصبیت سے پاک و بلند کرداران کا ہانا چاہئیے، حتی کہ اگر کبھی کوئی باہم اختلاف ہو جائے تو اصلاح کی اجتماعی فکر ہونا ایمان کا تقاضہ اور اخوت کا مطالبہ ہے، ظالم کو بہر صورت ظلم سے باز رکھنا اور مظلوم کی اعانت اہل ایمان کی جماعت کا فریضہ ہے، مگر اس میں عدل اونصاف کا ہر حال میں خیال رکھنا چاہئیے، اللہ عدل پرور اور منصف مزاجوں کو پسند فرماتا ہے،

۵-آیت گیارہ اور بارہ میں اسلامی معاشرہ میں اعلیٰ ترین اخلاقی قدریں، اور تعامل باہمی میں مکارم اخلاق اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اسلامی معاشرہ میں یہ ضروری ہے کہ وہ حسد، غیبت، کینہ، چغلی، بدگوئی، تجسس جیسے رذائل اخلاق سے پاک ہو، اس معاشرہ میں لوگ باہمی محبت والفت کے ساتھ رہتے ہوں، نہ برے نام والقاب سے کسی کو پکارتے ہوں، نہ مذاق و تمسخر کا مزاج ہو، نہ بدخلقی وسخت مزاجی اختیار کرتے ہوں، محبت والفت، نرم خوئی ونرم مزاجی خوش گفتاری وخوش کرداری کے سانچہ میں ڈھلے ہوئے ہوں، قرآن مجید ایک ایسے صالح وبااخلاق معاشرہ کی تشکیل کرتا ہے۔

۵-آیت ۱۳ میں مساوات انسانی کا عالمی ودائمی اعلان ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ انسانی معاشرہ کی بنیاد رنگ ونسل، قبائلی وقومی فخر وغرور پر نہیں رکھی گئی ہے، تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں، کوئی کسی سے قبیلہ ونسب، نام وخاندان کی بنیاد پر امتیازی خصوصیات نہیں رکھتا، فضیلت وبرتری کے تمام انسانی وضع کردہ معیار جھوٹے وباطل ہیں، فضیلت وبرتری صرف اس کو حاصل ہے جو اپنے خالق کے ساتھ بندگی کا اعلیٰ تعلق رکھتا ہے،

۶-آیت چودہ تا اٹھارہ ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو ابھی حقیقت اسلام سے ناآشنا تھے، مگر اپنے آپ کو اہل ایمان میں شمار کرتے تھے، ابھی ایمان نہ تو ان کے قلب ودماغ میں اترا تھا، اور نہ ہی عمل وتطبیق میں بہت زیادہ اس کا اثر تھا، یہ بظاہر اطراف مدینہ کے وہ قبائل تھے جن کا

تذکرہ مولانا امین احسن اصلاحی کے حوالہ سے اوپر گذرا ہے، ان آیات میں ایمان کی اصل حقیقت وحلاوت اور زندگی میں اس کی جلوہ سامانی کو سمجھنے کی دعوت دی گئی، ظاہر کے بجائے باطن کی تعمیر کی تذکیر کی گئی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ دراصل ایمان کی دولت کا حاصل ہو جانا ایک عظیم توفیق الٰہی اور نعمت خداوندی ہے، جس پر خدا کا احسان مند وشکر گذار ہونا چاہیئے، نہ یہ کہ کسی طرح لشتم پشتم اسلام لانے اور ایمان قبول کرنے پر خدا ورسول پر احسان جتایا جائے، پھر اللہ کے علم محیط اور اس کے عالم الغیب والشہادۃ ہونے کی بہترین صفات پر اس سورت کا اختتام ہوتا ہے۔

اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے بنیادی اصول وضوابط

یہاں تک ہم نے سورت حجرات کے مضامین کا ایک اجمالی تذکرہ کیا ہے، آیئے آگے دیکھتے ہیں اور تفصیل کے ساتھ سمجھنے کوشش کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی اس مختصر سورت میں کیا بنیادی احکام اور اصولی ہدایات ذکر کی گئی ہیں جن کی روشنی میں ایک صالح ربانی معاشرہ کی تعمیر ہوتی ہے،

(۱) اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ادب وتواضع کا حکم، مقام نبوت کی عظمت کا بیان، اور اس کے تقاضے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (1) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (2) إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ (3) إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (4) وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (5)

ترجمہ آیات: ارشاد ربانی ہے

”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے اپنی رائے مقدم نہ کرو، اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے، اے ایمان والو! اپنی آواز نبی کی آواز کے مقابلہ بلند نہ کرو، اور نہ انہیں اس طرح باواز بلند پکارو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، ایسا نہ ہو کہ تمارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں احساس بھی نہ ہو سکے، یاد رکھو، جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، وہی ایسے ہیں جن کے قلوب کو تقوی کی افزائش کے لئے خدا تعالی نے منتخب کرلیا ہے، ان ہی کے لئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے، بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں اکثر نامعقول ہیں، اور اگر وہ صبر کرتے یہاں

تک کہ آپ ان کے پاس نکل کر آجاتے یہ ان کے لئے بہتر تھا، اور اللہ مغفرت کرنے والا انتہائی مہربان ہے‘‘

مذکورہ آیات میں اہل ایمان کو عمومی خطاب کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ادب وتواضع اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مقام نبوت کی عظمت کے بیان کے ساتھ بے ادب لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے، اور آنحضرت ﷺ کے مقام ومرتبہ کی تذکیر کی گئی ہے، انسان اللہ کا بندہ ہے، احساس بندگی وعبدیت ہی دراصل انسان کا سب سے اعلی جوہر اور امتیازی صفت ہے، جس کے قلب ودماغ میں اللہ احکم الحاکمین صاحب صفات جلال وجمال اور اس کی وحدانیت وکبریائی کا صحیح تصور ہوتا ہے، جنہیں اللہ کی قدرت وحاکمیت، اور مدبر السماوات والارض کا صحیح احساس ہوتا ہے، جن کی نظر اور قلوب آفاق وانفس میں اللہ کی ربوبیت کے نظارے کرتے ہیں، اور انہیں اللہ کے آگے اپنی بے بضاعتی، کمزوری ودرماندگی کا احساس ہوتا ہے، حقیقت میں وہی لوگ احساس عبدیت کے ساتھ اللہ احکم الحاکمین کے ادب آشنا ہوتے ہیں، اللہ کی ذات پر ان کا ایمان صرف ظاہری ورسمی نہیں ہوتا بلکہ ایمان کی جلوہ سامانی ان کے قلب وقالب، ظاہر وباطن سب پر عیاں ہوتی ہے، ادب وتواضع ان کے وجود سے ظاہر ہوتی ہے، جن کے اندر عبدیت کا یہ احساس اور اپنی حقیقت سے آشنائی نہیں ہوتی وہ ’’نسوا اللہ فنسیهم أنفسهم‘‘ کا مصداق ہوتے ہیں، یا قرآن مجید کی دوسری تعبیر میں ’’وما قدروا اللہ حق قدره‘‘ اللہ کی عظمت وکبریائی سے ناآشنا، اور اس کی قدر ومنزلت سے ناواقف ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ جن کے اندر بندگی کا صحیح احساس اور اللہ ورسول کے مقام کا صحیح ادراک ہوگا وہ تقوی شعار، خداترس اور ہر چیز میں وحی ربانی وحکم رسالت کے آگے سرنیاز خم کرنے والے ہوں گے، ان کے نزدیک خاندانی رسم ورواج یا خواہشات نفس اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے آگے بے معنی وبے حیثیت ہوں گی، قرآن مجید نے ایسے اطاعت شعار اور عبدیت شناس بندوں کے بارے میں یوں کہا ہے ’’إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ

الْـمُـفْـلِـحُـونَ " (النور) اہل ایمان کو جب بھی اللہ ورسول کی طرف بلایا جاتا ہے، تا کہ ان کے درمیان فیصلہ کیا جائے، وہ کہتے ہیں، ہم نے سنا اور اطاعت کے لئے حاضر ہیں، یہی لوگ تو کامیاب ہوتے ہیں''

واضح رہے کہ عبدیت کا تقاضہ وروح اللہ اوراس کے رسول کی بشاشت وخوشدلی کے ساتھ اطاعت، اوران کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہے، یہی ایمان کا تقاضہ بھی ہے اور اللہ ورسول کے ساتھ ادب وتواضع کا مظہر بھی ہے،

پہلی آیت میں اہل ایمان کو خطاب کر کے تین باتیں کہی گئی ہیں،

ا-''لا تـقـدموا بيـن يـدی الله ورسوله ''اللہ اوراس کے رسول کے آگے نہ بڑھو، نہ زبان حال سے نہ زبان قال سے، نہ اپنی ذات کو مقدم کرو، اورنہ ہی اپنی رائے وفکر کو مقدم کرو، اللہ اوراس کے رسول کی سرتا پا اطاعت اختیار کرو۔

۲-''واتقوا الله ''اللہ سے ڈرو، تقوی اختیار کرو،

۳-''ان الله سميع عليم ''اللہ سب کچھ سننے والے اور ہر چیز جاننے والا ہے

سب سے پہلی بات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ اطاعت کے معاملہ میں اللہ اوراس کے نبی کا معاملہ الگ الگ نہیں ہے، پیغمبر اللہ کا فرستادہ، نمائندہ اور سفیر ہوتا ہے، وہ جو کچھ بھی انسانوں سے کہتا ہے وہ خدا کا پیغامبر ہوتا ہے، منصب نبوت کا یہ احساس ہر مومن کو ہونا چاہئیے، کہ رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے، اللہ کی بندگی کا اولین تقاضہ نبی کی اتباع ہے، سورہ آل عمران میں ایک جگہ فرمایا گیا ''قُـلْ إِن كُـنتُـمْ تُـحِبُّونَ اللّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّهُ وَيَغْفِرْ لَـكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ، قُلْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَالرَّسُول ''(آل عمران) اے پیغمبر! آپ صاف کہہ دیجئے، اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت فرمائے گا، تمہارے گناہ معاف کردے گا، اور اللہ تو بہت معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے، آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت اختیار کرو' اسی بات کو ایک اور جگہ اہل ایمان کی

صفت بتایا گیا ہے''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا'' کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو اللہ اور اس کے رسول جب کوئی فیصلہ کردیں کوئی اختیار اپنی رائے یا اپنے فیصلہ کا باقی نہیں رہتا، جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ کھلی گمراہی میں پڑتا ہے'' یہ مضمون قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مذکور ہے،

آیت کے اس جزء میں اللہ ورسول کی سرتاپا اطاعت کا حکم اور کسی بھی معاملہ میں خلاف ورزی، یا اس کے مقابلہ کسی خواہش ورائے کی ترجیح، یا اللہ ورسول کے حکم کے انتظار کے بغیر اپنی طرف سے عجلت پسندی میں آگے بڑھنے کی ممانعت ہے، ابن کثیرؒ نے لکھا ہے''لا تسرعوا فی الاشیاء قبله، بل كونوا تبعا له فی جميع الأمور ''(ابن کثیر) اللہ ورسول کے حکم وفیصلہ سے پہلے جلدی نہ کرو، بلکہ تمام معاملات میں ان کے تابع بن جاؤ'' حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کی تشریح میں یہ جامع ترین قول کتب تفسیر موجود ہے:''لا تقولوا خلاف الكتاب والسنة'' کتاب وسنت کے خلاف کوئی بات نہ کہو''

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے:''لا تقدموا قولا ولا فعلا بين يدى الله، وقول رسوله وفعله فيما سبيله أن تأخذوا عنه من أمر الدين والدنيا '' (الجامع لأحکام القرآن) اللہ کے آگے بڑھ کر کوئی قول وفعل نہ اختیار کرو، اور نہ ہی اس کے رسول کے قول وفعل کے سامنے پیش کرو، اور دین ودنیا کے ان تمام معاملات میں جن میں صرف نبی کی اتباع ضروری ہے کسی اور کا قول وعمل نہ اختیار کرو'' یہ بہت جامع حکم ہے، اس میں حیات نبوی میں ان کے سامنے ازخود پیش قدمی کی بھی ممانعت ہے، حتی کہ بعد میں قیامت تک اللہ اور اس کے رسول کے نظریات کے مقابلہ دوسرے نظریات کی ترجیح کی ممانعت بھی اسی میں داخل ہے،

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے کیا خوب لکھا ہے:''أی لا تقولوا حتى يقول، ولا تأمروا حتى يأمر، ولا تفتوا حتى يفتی، ولا تقطعوا أمرا حتى يكون هو الذى

یحکم فیه ویمضیه،والقول الجامع فی معنی الآیة: لاتعجلوابقول ولافعل قبل أن یقول رسول الله ﷺ أو یفعل ’’(اعلام الموقعین ۱/۴۱)مطلب آیت کریمہ کا یہ ہے کہ تم خود کچھ نہ کہو یہاں تک کہ وہ کچھ فرمائیں،تم کوئی حکم دینے میں پہل نہ کرو یہاں تک کہ وہ خود حکم دیں،تم کوئی فتوی نہ دو،یہاں تک کہ وہ فتوی دیں،تم کوئی فیصلہ نہ کرو،یہاں تک کہ وہ اپنی جانب سے کوئی فیصلہ نہ فرمائیں،جامع بات آیت کی تشریح میں یہ کہی جاسکتی ہے کہ ازخود تم کسی قول وفعل میں جلدی وپیش قدمی نہ کرو،قبل اس کے کہ وہ خود کچھ فرمائیں،یا کچھ کریں‘‘

ممانعت اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ اپنے کوکسی بھی طرح اس انداز سے مقدم کرنے کی ہے،جو اللہ اور اس رسوکی اطاعت سے متصادم،یا بندگی وعبدیت کے تقاضہ کے خلاف،اورادب وتوضع کے خلاف ہو،مطلق کوئی رائے پیش کرنا یا کوئی اجتماعی مصلحت کے پیش نظر ادب وتواضع ملحوظ رکھتے ہوئے مشورہ دینا اس آیت کے خلاف نہیں،مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم فرماتے ہیں:

’’یہاں ممانعت اللہ کے رسول کے سامنے اپنی رائے پیش کرنے میں پہل کرنے یا اللہ اور رسول کے حکم پر مقدم کرنے کی ہے،نہ کہ رسول کے سامنے مجرد اپنی کوئی رائے پیش کرنے کی،نبی ﷺ امور مصلحت میں صحابہ سے ان کی رائیں معلوبھی م فرماتے تھے،اور صحابہ اپنی رائے پیش بھی کرتے تھے،اسی طرح صحابہ بعض اوقات عام امور مصلحت میں نبی ﷺ کے سامنے یہ بھی عرض کرتے تھے کہ اگر حضور ﷺ کا فلاں اقدام وحی پر مبنی نہ ہوتو اس کی جگہ فلاں تدبیر زیادہ قرین مصلحت رہے گی،اور بعض اوقات حضور ﷺ ان کی رائیں قبول بھی فرمالیتے تھے،اس آیت میں اس طرح کی باتوں کی نہی نہیں ہے،حضور ﷺ نے اپنے طرز عمل سے اس کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے‘‘(تدبر قرآن ۷/۴۸۷)

قرآن مجید یہاں اہل ایمان میں یہ ذوق پیدا کرتا ہے کہ ان کی زندگی اللہ ورسول کی سرتاپا اطاعت پر مبنی ہو،اسی مزاج کی تخم ریزی اس کا مقصد ہے،سچ پوچھیے تو اسلامی معاشرہ کی

خشت اول یہی تصور ہے، کہ انسان اللہ کی صحیح معرفت حاصل کرے،اس کی عظمت و کبریائی کو محسوس کرے،اور اللہ اور رسول کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کردے،اطاعت سے کسی معاملہ میں سرموتجاوز نہ کرے،عبدیت کا یہی احساس وتصور،اور جذبہ طاعت جب عمل میں ڈھلتا اور زندگی میں جلوہ گر ہوتا ہے،انسان اللہ اور اس کے رسول کے ہر معاملہ میں ادب وتواضع کے ساتھ اپنا سر تسلیم خم کرتا ہے،تو اسی کو ''تقوی'' کہتے ہیں،

دوسرا حکم اس آیت میں تقوی کا دیا گیا، کہ اللہ سے ڈرتے رہو،اس سیاق میں مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت سے یا ان کی بے ادبی سے اللہ کا خوف کرو،تقوی حقیقت یہ ہے کہ صرف ''احساس ڈر'' یا خوف کا نام نہیں ہے تقوی کسی خاص شکل وحلیہ کو نہیں کہتے ،تقوی اطاعت خداوندی،اور اللہ کی احکام کی تعمیل، نبی کی سنت کے اتباع کامل کا دوسرا نام ہے،اللہ کا خوف اللہ کی طاعت اور نبی کی اتباع میں پنہاں ہے،بہت سے لوگ صرف چند مظاہر کو تقوی کی علامت سمجھتے ہیں، حالاں کہ کامل اطاعت،کامل اتباع ،منہیات سے اجتناب،حتی کہ مشتبہ چیزوں سے اجتناب قرآن وحدیث کی میزان میں تقوی ہے،خود مذکورہ بالا آیت میں اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ آگے بڑھنے کی ممانعت کے بعد تقوی کا حکم یہی اشارہ کرتا ہے کہ دراصل اطاعت اوران آداب کی رعایت ہی کا نام تقوی ہے،اہل تقوی کون ہیں؟ ان کے تعارف کے لئے سورہ بقرہ کی یہ آیت پڑھئے ،اور غور کیجئے:'' لَّيۡسَ الۡبِرَّ أَن تُوَلُّواۡ وُجُوهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلَـٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ آمَنَ بِاللّهِ وَالۡيَوۡمِ الآخِرِ وَالۡمَلآئِكَةِ وَالۡكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الۡمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الۡقُرۡبَى وَالۡيَتَامَى وَالۡمَسَاكِينَ وَابۡنَ السَّبِيلِ وَالسَّآئِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالۡمُوفُونَ بِعَهۡدِهِمۡ إِذَا عَاهَدُواۡ وَالصَّابِرِينَ فِي الۡبَأۡسَاء وَالضَّرَّاء وَحِينَ الۡبَأۡسِ أُولَـئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَـئِكَ هُمُ الۡمُتَّقُونَ''

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف کرلو، بلکہ نیکی اس شخص کی ہے جو اللہ پر، یوم آخرت پر،فرشتوں اور اللہ کی نازل کردہ کتابوں پر

،پیغمبروں پر ایمان لائے ،اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال اہل قرابت، یتیموں، مساکین، مسافروں، حاجت مندوں اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے،نماز قائم کرے،زکوۃ ادا کرے، اور(نیک وہ لوگ ہیں) جو اپنے وعدوں کو پورا کرتے ہیں، تنگدستی اور مصیبت کے وقت،حق و باطل کے معرکہ کارزار میں صبر سے کام لیتے ہیں، ایسے ہی لوگ راستباز اور سچے ہیں، یہی ہیں جو ’’متقی‘‘ ہیں‘‘

نماز، روزہ، صدقات، ادائے زکوۃ، صبر واستقامت، ایفائے عہد اور دیگر اعمال صالحہ کا اہتمام ’’تقوی‘‘ ہے، حتی کہ ’’شعائر اللہ‘‘ کی تعظیم، احکام الٰہی اور مظاہر عبادت کی تعظیم تقوی کی نشانی ہے، جو شخص اللہ کے احکام، اور شعائر کی تعظیم کرے گا اس کے دل میں تقوی کی آبیاری وتخم ریزی ہوگی، ارشاد خداوندی ہے: ’’وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوب‘‘ ’’جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے تو یہ اس کے دل کے تقوی کی دلیل ہے‘‘ (الحج)

احکام خداوندی پر صرف عمل ہی نہیں بلکہ یہاں غور کیجئے کہ شعائر اللہ کی تعظیم واحترام کو تقوی کی نشانی بتایا گیا ہے، قرطبیؒ نے شعائر اللہ کو ’’مکمل دین‘‘ بھی ذکر کیا ہے، گویا اللہ کے دین اور شعائر کی تعظیم، احترام وادب تقوی کی دلیل ہے، اسی لئے سلف کے تقوی شناسی کا حال یہ تھا کہ وہ صرف فرائض کی ادائیگی ہی پر اکتفاء نہیں کرتے تھے، بلکہ عبادات کی تعظیم، اور آداب کا غیر معمولی خیال رکھتے تھے، چنانچہ نماز سے قبل طہارت کا اہتمام اس کے ادب واحترام کی تذکیر کے لئے ہے، ابن قیمؒ نے کیا خوب لکھا ہے: ’’والأدب هو الدين كله، فان ستر العورة من الأدب، والوضوء وغسل الجنابة من الأدب، والتطهر من الخبث من الأدب حتى يقف بين يدى الله طاهرا، ولهذا كانوا يستحبون أن يتجمل الرجل فى صلوته للوقوف بين يدى ربه‘‘ (مدارج السالکین ۲/۳۶۳) دین تو سرتا سر ادب ہی ہے، اسی لئے ستر عورت بھی ایک ادب ہے، وضوء، غسل جنابت ایک ادب ہے، ظاہری نجاستوں سے پاکیزگی ایک ادب ہے، یہ سارے آداب اس لئے ہیں کہ ایک بندہ اپنے رب کے حضور

پاک وصاف کھڑا ہو سکے، اسی وجہ سے بہت سے لوگ یہ مستحب سمجھتے تھے کہ انسان نماز میں اپنے معبود کے سامنے کھڑے ہونے کے لئے زیب وزینت کا اہتمام کرے'' ان امور کا تعلق اللہ کی ذات، اس کے احکام، اس کے دین وشریعت، اس کے شعائر کی تعظیم واحترام سے ہے، جس کے اندر یہ ادب وتواضع تعظیم واحترام کے جذبات ہوتے ہیں، وہ اس کے تقوی کی دلیل ہیں، قرآن مجید دراصل احکام کی تفصیل کے ساتھ اسلامی معاشرہ کے افراد کو ان آداب کے قالب میں ڈھالنا چاہتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ''قال ابن مسعودؓ : ليس من مؤدب الا وهو يحب أن يؤتى أدبه، وان أدب الله تعالى القرآن ''جو بھی ادب سکھانے والا مؤدِب ہوتا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بتائے ہوئے ادب کو اختیار کیا جائے، اللہ کا ادب قرآن مجید ہے''

تیسری بات اس پہلی آیت میں اللہ کی صفت ''سمع'' اور صفت ''علم'' کا تذکرہ ہے، یہ اللہ تعالی کی صفات کمال ہیں، اللہ کے لامحدود، اور ناپیدا کنار ''علم'' کے تذکرہ پر پہلی آیت مشتمل ہے، اور ''علم لامحدود'' ہی کے تذکرہ وتذکیر پر اس سورت کا اختتام ہوتا ہے، عموما قرآن مجید کی سورتوں کے آغاز اور انتہا میں حیرت انگیز موضوعی مناسبت اور ربط ہوتا ہے، اللہ کی صفات کا استحضار انسان کے دل میں تقوی پیدا کرنے اور عبدیت وبندگی کے جذبات پیدا کرنے میں بہت نافع ہے،

امام ابن قیمؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''مدارج السالکین'' میں ذات باری تعالی کے ادب کے تعلق سے فرماتے ہیں: ''لا يستقيم لأحد الادب مع الله تعالى الا بثلاثه أشياء: معرفته بأسماء ه،وصفاته، ومعرفته بدينه وشرعه وما يحب ويكره، ونفس مستعدة قابلة لينة متهيئة لقبول الحق علما وعملا وحالا ''(مدارج السالکین) کسی شخص کے لئے تین چیزوں کے بغیر اللہ رب العزت کی ذات کا ادب واحترام حاصل کرنا ممکن نہیں، پہلی چیز اللہ کے اسماء وصفات کی معرفت، دوسری چیز اللہ کی شریعت اور اس کے

دین، اور اسکی پسندیدہ چیزوں، اور مبغوض چیزوں کی معرفت، تیسری چیز، ایسا نفس جو حق کو قبول کرنے، تسلیم کرنے اور قول وعمل سے اس کو اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو“

معلوم ہوا کہ جس کے اندر یہ تین باتیں جمع ہوں وہ اللہ تعالی کے ساتھ ادب وتواضع صحیح معنی میں اختیار کرنے والا ہوگا، جب تک اللہ کی صفات کا استحضار نہیں ہوگا، اس کے دل پر اللہ کی عظمت وکبریائی کا نقش قائم نہیں ہوگا، جس کے پاس اللہ کے دین وشریعت کا علم اور حلال وحرام، اللہ کی پسند وناپسند کی معرفت نہیں ہوگی وہ زیغ وضلال اور بدعملی سے نہیں بچ پائے گا، اسی طرح نفس انسانی میں قبول حق کی صلاحیت ومرونت ہونا بھی ضروری ہے،

اس کے بعد امام محترم فرماتے کہ اللہ رب العزت کے ساتھ ادب کی تین قسمیں ہیں: ”

الادب مع المولی تبارك وتعالی ثلاثة أنواع:صيانة معاملته أن يشوبها بنقيضه، والثانی صيانة قلبه أن يلتفت الی غيره،والثالث :صيانة ارادته أن تتعلق بما يمقتك عليه ”اللہ تعالی کے ساتھ ادب کی تین نوعیتیں ہیں: اللہ کے ساتھ انسان کا جو معاملہ ہے اس میں شرک کی آمیزش نہ ہو، دوسرے یہ کہ انسان اپنے دل کو غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے سے بچائے، تیسرے یہ کہ اپنی نیت وارادہ کو اللہ کو ناراض کرنے والی چیزوں سے محفوظ رکھے“

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایک بندہ کا حال یہ ہونا چاہیئے کہ اللہ کی عبادت، حمد وتوصیف، محبت وخوف، رجاء وتوکل، استعانت واستمداد وغیرہ ہر معاملہ میں ظاہر وباطن، قلب وقالب، زبان واعضاء کسی چیز سے خلاف عبدیت کچھ سرزد نہ ہو،

سورۃ الحجرات کی اس آیت نے اہل ایمان کو شان عبدیت کے اسی احساس سے آشنا کیا ہے، اطاعت وفرمانبرداری کا یہی جوہر پیدا کیا ہے، اللہ ورسول کی بات ماننے اور اس کے آگے سرنیاز جھکادینے کا سلیقہ سکھایا ہے، کسی بھی معاملہ میں اللہ ورسول کے حکم وفیصلہ سے آگے نہ بڑھنے، ان کے حکم پر کسی نظریہ ورائے کو مقدم نہ کرنے کا ادب سکھایا ہے، اللہ ورسول کی طاعت ہر

طاعت سے مقدم، ان کا حکم وفیصلہ ہر حکم سے مقدم، اور ہر خواہش ونظریہ سے بہتر وافضل ہے، ’’صِبْغَةَ اللّٰـهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُون ‘‘حقیقت میں اس ذوق کی تخم ریزی اس آیت کا بنیادی پیغام ہے،

اس کے بعد آگی کی آیات میں حضورﷺ کے سامنے عجز وفروتنی اختیار کرنے اوران کے سامنے اپنی آواز کو پست رکھنے کا حکم دیا گیا ہے،ان کے ساتھ انداز تخاطب کی شوخی پر تنبیہ اور ان کے ساتھ ادب وتواضع کا حکم دیا گیا ہے، مقام نبوت کی عظمت کے خلاف ہے کہ ان کے سامنے بلند آواز سے گفتگو کی جائے، یا ان کی مجلس میں ادب ووقار کا لحاظ نہ رہے، تنبیہ کی گئی کہ ان سے انداز تخاطب عام انسانوں کی طرح نہ ہو، بلکہ یہاں ’’با محمد ہشیار باش‘‘ کا حکم ہے، آگاہ کیا گیا ہے کہ اگر نبی کے ساتھ گفتگو وتخاطب میں ادنی سی بے شعوری گستاخی بھی ہوئی تو ہوسکتا ہے کہ زندگی بھر کے اعمال صالحہ کو ضائع کردے، لیکن جو لوگ نبیﷺ کی عظمت کا خیال رکھتے ہیں، ادب وتواضع سے پیش آتے ہیں، عجز وفروتنی کے ساتھ حسب ضرورت گفتگو کرتے ہیں، آنحضرتﷺ کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہیں، ایسے لوگوں کے قلوب کو اللہ تقوی کی آبیاری کے لئے منتخب فرماتا ہے، اور انہی لوگوں سے مغفرت واجر عظیم کا وعدہ ہے، یہاں دراصل ’’باادب بانصیب‘‘ کا واضح اشارہ ہے۔

معلوم ہونا چاہئیے کہ قرآن مجید نے سیکڑوں آیات نبیﷺ کے مقام ومرتبہ اوران کی عظمت وبلندی کو بیان کیا ہے، اوران کی شان بلند کا کون تصور بھی کرسکتا ہے جن کے لئے خود خالق ارض وسماوات نے ’’ورفعنا لك ذكرك ‘‘فرمایا ہے، مقام نبوت کی عظمت وبلندی میں قرآن کا یہ بیان انتہائی نازک ودقیق اور حیرت انگیز ہے ’’ولسوف يعطيك ربك فترضى ‘‘(تمہارا رب تمہیں اتنا نوازے گا کہ تم راضی ہوجاؤگے) عجیب بات ہے کہ ساری مخلوق مکلّف ہے کہ خدا تعالی کی رضا کے لئے جد وجہد کرے اور اللہ اپنے حبیب کو اپنی خاص عطاء ونوازش سے خوش فرمائے گا، بس اس اشارے سے زیادہ اور کیا بیان عظمت نبوی کا ہوسکتا ہے، آیئے دیکھتے ہیں کہ

قرآن مجید اسلامی معاشرہ میں عظمت نبوی کا تصور اور ادب واحترام کا شعور کس طرح پیدا کرتا ہے۔

سورہ حجرات سے پہلے سورہ فتح میں فرمایا گیا ہے: ''أَرسَلنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً (8) لِتُؤمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكرَةً وَأَصِيلاً'' ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشیر ونذیر بنا کر کر بھیجا ہے، تا کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، نبی کی تعظیم وتوقیر کرو، اور حق کے راستہ میں ان کی مدد کرو، اور صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرو' اس آیت میں مقصد رسالت بھی بیان کیا گیا ہے، اور امت پر نبی کے حقوق بھی ذکر کئے گئے ہیں، اہل ایمان پر نبی کا اولین حق ان کی تصدیق وایمان کے بعد یہ ہے کہ اقامت ودعوت دین کی جدوجہد میں ان کے دست وبازو بنیں، کار دعوت میں، حق کے راستے میں ان کی مدد کریں، ان کے دین کی نصرت کے لئے کھڑے ہوں، اور ان کی تعظیم وتوقیر اختیار کریں، نبی کی تعظیم، ادب واحترام ایمان کے مطالبات میں بنیادی مطالبہ اور امت پر نبی کے حقوق میں بنیادی حق ہے، قرآن مجید نے جابجا شان رسالت کا ادب سکھایا ہے، امت پر ان کے حقوق کا تذکرہ کیا ہے، تا کہ اہل ایمان کے قلوب میں نبی آخر الزماں کی عظمت ومحبت، اطاعت وتابعداری کا مزاج پیدا کیا جا سکے، آیئے اس سلسلہ میں قرآن کی ہدایات پر ایک نظر ڈالتے ہیں، قرآن مجید پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان سے اس ضمن میں مندرجہ ذیل مطالبات ہیں؛

۱-اطاعت وفرمانبرداری:

قرآن مجید کی متعدد آیات میں نبی کی طاعت واتباع کا حکم دیا گیا ہے، نبی کی اطاعت کے بغیر انسان اللہ کی اطاعت اور ہدایت کا تصور بھی نہیں کرسکتا، نبی کی اطاعت ہی دراصل ہدایت کا ضمانت ہے، ارشاد خداوندی ہے: ''وَأَطِيعُوا اللّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُم تُرحَمُونَ'' اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرو، تا کہ تم پر رحم کیا جائے' ایک اور مقام پر یہ مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے: ''قُل أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوا فَإِنَّمَا عَلَيهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيكُم مَّا

حُمِّلْتُمْ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ''اے پیغمبر آپ کہد یجئے: تم لوگ اللہ کی اطاعت کرو، نبی کے تابع فرمان بن کر رہو، اگر وہ روگردانی کریں تو خوب سمجھ لو کہ رسول پر جس فرض کا بارڈالا گیا وہ اس کے ذمہ دار ہیں، اور تم پر جس فرض کا بارڈالا گیا ہے اس کے ذمہ دار تم ہو، اگر تم نبی کی اطاعت اختیار کرو گے تو خود ہی ہدایت پاؤ گے'' (سورہ نور) ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے ''یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَطِیعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ (الانفال)'' اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اس کے نبی کی اطاعت کرو، اور تم ان کی بات سن کر ان سے روگردانی نہ کرو'' حقیقت میں اللہ نبی کے اطاعت وفرمانبرداری خود اللہ کی طاعت کی مانند ہے، ارشاد باری ہے: ''مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ'' جو پیغمبر کی اطاعت اختیار کرتا ہے وہ اللہ ہی کی اطاعت کرتا ہے'' جو لوگ اللہ کے نبی کی خلاف روزی، اور اطاعت سے انحراف کریں قرآن مجید میں ان کو ان الفاظ میں وعید سنائی گئی ہے'' فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (النور) '' جو لوگ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیئے کہ مبادا کوئی فتنہ یا درد ناک عذاب انہیں پکڑ لے'' ان آیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل ایمان کا تعلق نبی ﷺ سے اطاعت وفرمانبرداری کا ہونا چاہئے، مقام نبوت کی عظمت یہ ہے کہ ان کی اطاعت خود اللہ کی طاعت کے برابر ہے،

۲- کمال محبت:

ذات نبوی کے جو حقوق قرآن مجید بیان کرتا ہے، اور جن بنیادوں پر اسلامی معاشرہ کی تعمیر کرتا ہے، ان میں ایک بنیادی بات یہ ہے کہ اہل ایمان کا نبی سے محبت کا تعلق ہونا چاہیئے، بلکہ کمال ایمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ اولاد وخاندان، اموال وتجارت، ہنگامہائے زندگی ہر چیز سے زیادہ محبت نبی کی ذات سے ہو، یہ محبت قرآن کا مطالبہ بھی ہے اور کمال ایمان کا معیار بھی، قرآن مجید اہل ایمان میں یہ شعور پیدا کرتا ہے کہ وہ نبی کے اطاعت وفرمانبرداری کے ساتھ اس کی ذات کو ہر شئے سے زیادہ عزیز ومحبوب رکھیں، ارشاد باری ہے: ''قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ

وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ" (توبہ) اے پیغمبر آپ کہہ دیں کہ اے لوگو خوب یاد رکھو اگر تمہارے آباء واجداد، تمہاری اولاد، بھائی بندے، تمہاری بیویاں، تمہارے اموال، وہ تجارت جس کی کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو، وہ مکانات جو تمہیں پسند ہیں اللہ اور اس کے رسول ، اور راہ خدا کی جدوجہد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو کہ اللہ کا کوئی عذاب آجائے، اور یاد رکھو اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا'' قرآن مجید جس معاشرہ کی تشکیل کرتا ہے، یا جن افراد کی ایمانی تربیت کرتا ہے اس کا ہر فرد اپنے پیغمبر سے آخری درجہ کی محبت کرنے والا ہوتا ہے، حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا ''کیف کان حبکم لرسول اللہ ﷺ؟ قال: واللہ کان أحب الینا من آبائنا وأمهاتنا وأولادنا وأموالنا ومن الماء البارد علی الظمأ'' تمہاری حضور ﷺ کے ساتھ محبت کیسی تھی؟ فرمایا: خدا کی قسم وہ ہمیں ہمارے ماں، باپ، اولاد، اور اپنے مال ودولت، اور سخت پیاس میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے'' صحابہ کرام کی آنحضرت ﷺ سے محبت اور اس کے بے مثال واقعات تاریخ انسانی کی نادرتریں مثالیں ہیں،

۳۔ اختلافات میں تحکیم

امت پر نبی کے حقوق میں ایک حق یہ بھی ہے کہ اپنے اختلافات میں نبی کی طرف رجوع کریں، انہی کو حکم وفیصل سمجھیں، یہی نہیں بلکہ مقام نبوت کا تقاضہ اور ایمان کا مطالبہ یہ ہے کہ نبی کے ہر فیصلہ کے آگے سر تسلیم خم کریں، پوری بشاشت اور خوشدلی کے ساتھ اس کو قبول کریں، اور اپنے نفوس میں اس سے متعلق معمولی تنگی وحرج محسوس تک نہ کریں، اس ضمن میں ارشاد خداوندی ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ" (نساء) اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو، اور جو تمہارے امور کے ذمہ دار ہیں ان کی

فرمانبرداری کرو، اگر تمہارے درمیان کوئی اختلاف ہوجائے تو اس میں اللہ اور رسول کی جانب رجوع کرو، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو"

اسی سورہ میں مزید آگے بڑے صاف لہجہ میں یہ حکم دیا گیا ہے: "فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىَ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِيْ أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيماً" (نساء) تیرے رب کی قسم! وہ لوگ ایمان والے نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ تمہیں اپنے اختلافات میں حکم تسلیم نہ کریں، پھر تمہارے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی وحرج نہ محسوس کریں، اور تمہارے فیصلہ کے آگے اپنا سر نہ جھکادیں" قرآن مجید کی یہ آیت بہت چونکادینے والی ہے، مسئلہ صرف اتنا نہیں ہے کہ اہل ایمان اختلافات میں نبی کو فیصل بنالیں، ان سے رجوع کرلیں، بلکہ یہاں تک ہے کہ نبی کے فیصلہ پر کوئی کبیدگی وتنگی نہ زبان پر ہو نہ دل میں ہو، پورے انشراح اور خوشدلی کے ساتھ خواہ موافق ہو یا ناموافق ہو قبول کرنا ایمان کا تقاضہ اور مقام نبوت کا حق ہے،

۴- نبی سے آگے بڑھنے کی ممانعت

سورہ حجرات کی جس آیت کی ہم تشریح کررہے ہیں اس میں بھی اہل ایمان کو نبی کے مقام پر متوجہ کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھیں، ان کے حکم سے پہلے عجلت پسندی میں اپنی جانب سے کوئی رائے یا فیصلہ نہ کریں، از خود نبی کی موجودگی میں کوئی فیصلہ یا حکم صادر نہ کریں، ان کے کسی حکم سے سرتابی وتجاوز نہ کریں، بلکہ سو فیصد اطاعت وفرمانبرداری اختیار کریں، یہ قرآن کا حکم، ایمان کا تقاضہ، اور نبی سے تعلق کا مطالبہ بھی ہے، اور مقام نبوت کا ادب بھی، اس ادب وتواضع کی پابندی تقوی کی نشانی ہے "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ"

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "من الأدب مع الرسول صلی اللہ علیہ وسلم أن لا يتقدم بين يديه بأمر ولا نهي، ولا اذن ولا تصرف، حتى يأمر هو ويأذن، كما قال

تعالی :يَـا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ،وَاتَّقُوا اللَّه، وهذا باق الى يـوم الـقيامةِ، ولم ينسخ،فالتقدم بين سنته بعد وفاته كالتقدم بين يديه فی حياتـه،ولا فـرق بينـهـما عـند كل ذی عقل سليم ‘‘(مدارج السالکین ۲/ ۳۶۷)

حضورﷺ کا ادب یہ بھی ہے کہ آپ کے سامنے کسی امر ونہی یا کسی تصرف کے ذریعہ آگے نہ بڑھا جائے، کسی بات میں ازخود پہل نہ کی جائے، یہاں تک کہ وہ خود کسی بات کا حکم دیں، یا اجازت دیں، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے، اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، واضح رہے کہ یہ حکم قیامت تک باقی ہے، یہ منسوخ نہیں ہوا، لہذا حضورﷺ کے وصال کے بعد ان کی سنت وقول سے آگے بڑھنا ان کی زندگی میں ان سے آگے بڑھنے کے مترادف ہے، دونوں میں صاحب عقل ودانش کے نزدیک کوئی فرق نہیں‘‘

۵-مجلس نبوی میں آواز بلند نہ کرنے کی ممانعت

سورہ حجرات کی دوسری آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ نبی کے سامنے آواز بلند نہ کریں، ان کو بلند آواز سے نہ پکاریں، بلکہ ادب وتواضع کے ساتھ پست آواز میں گفتگو کریں، یہ بھی دراصل مقام نبوت کی عظمت ورفعت کا تقاضہ ہے کہ وہاں آوازیں پست ہوں، یہاں دو باتوں کا حکم دیا گیا ہے، ایک آواز پست رکھنے اور عجز وفروتنی اختیار کرنے کا دوسرے حجرات نبوی کے باہر سے حضورﷺ کو غیر مہذب طریقہ سے نہ پکارنے کا، واقعہ یہ ہے کہ آنحضرتﷺ نبی آخر الزماں بھی ہیں، اور اہل اسلام کے لئے قیادت عظمی بھی، اس لئے ان کے مقام ومرتبہ کا خیال، اور ادب وتواضع کا اہتمام ایمان کا تقاضہ ومطالبہ ہے، اس آیت کے نزول کے بعد حضرات صحابہ آپ کی مجلس میں آواز پست رکھنے کا ایسا اہتمام فرماتے تھے کہ کبھی دروازہ بھی کسی ضرورت سے کھٹکھٹانے کی ضرورت ہوتو ناخن سے دستک دیتے تھے،’’عـن أنـس بن مالكؓ قال: أن أبواب النبیﷺ كانت تـقرع بالأظافر ‘‘(رواہ البخاری فی الادب المفرد) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتﷺ کے دروازہ پر ناخن سے دستک دی جاتی تھی،

صحابہ میں آپ کے سامنے آپ کی مجلس ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی مسجد میں آواز نیچی کرنے اور اس ادب کا اتنا خیال تھا، اس حدیث سے اندازہ لگائیں "عن السائب بن يزيد قال:كنت قائما فى المسجد ،فحصبنى رجل فنظرت،فاذا هو عمر بن الخطاب،فقال: اذهب فأتنى بهذين ،فجئته بهما،قال:من أنتما؟ أو قال: من أين أنتما،قالا:من أهل الطائف،قال: لو كنتما من أهل البلد لأوجئتكما،ترفعان أصوتكما فى مسجد رسول الله ﷺ" رواہ البخاری،

سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں کھڑا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ ایک شخص نے مجھے ایک کنکری سے اشارہ کیا، میں نے دیکھا وہ حضرت عمرؓ ہیں، انہوں نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ جاو، اور دو لوگوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان دونوں کو بلا کر لاؤ، میں دونوں کو حضرت عمرؓ کے پاس بلا کر لایا، آپؓ نے معلوم کیا کہ تم کون لوگ ہو، یا یہ پوچھا کہ تم کہا سے آئے ہو،؟ انہوں نے کہا: طائف سے، آپؓ نے فرمایا: اگر تم اسی شہر کے ہوتے تو تم کو سزا دیتا، تم لوگ حضور ﷺ کی مسجد میں بلند آواز سے بات کر رہے ہو"

انداز تخاطب میں احتیاط اور ادب کا جو مضمون اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے، سورہ نور میں بھی ایک جگہ اسی کی تذکیر کی گئی ہے، ارشاد خداوندی ہے: "لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضاً" (سورہ نور) "رسول کو اپنے درمیان اس طرح نہ پکارو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب بناتے ہو" قرآن مجید اہل ایمان میں عقیدت و محبت نبوی کے ساتھ ادب و تواضع کا وہ جوہر پیدا کرتا ہے کہ یہاں تخاطب کی شوخ مزاجی بھی گوارا نہیں،

۷- مجلس نبوی سے جاتے وقت اجازت طلبی:

"إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

رَّحِیُــــــمٌ ‘‘(سورہ نور) اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ اہل ایمان تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اور جب وہ کسی اجتماعی کام میں حضور ﷺ کے ساتھ ہوتے ہیں تو آپ کی مجلس سے بغیر اجازت نہیں جاتے، جو لوگ آپ ﷺ سے اجازت طلبی کے ساتھ جاتے ہیں وہی لوگ اللہ پر اور اس کے نبی پر ایمان رکھتے ہیں، پس جب یہ لوگ آپ سے اپنی کسی خاص ضرورت سے اجازت طلب کریں تو آپ حسب صوابدید جس کو چاہیں اجازت مرحمت فرمادیں، اور ان کے لئے استغفار کریں، بے شک اللہ بہت غفور رحیم ہے‘‘

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ اہل ایمان کا ایسا ادب بتایا گیا جو دراصل ایمان ونفاق کے درمیان خط فاصل ہے، منافقین کی عادت تھی کہ جب حضور ﷺ ساتھ ہوتے، کوئی اجتماعی معاملہ درپیش ہوتا، تو جب چاہتے اپنی مرضی سے مجلس نبوی سے چلے جاتے، قرآن مجید نے اس طرح کھسک جانے کو مقام نبوت کے ادب کے خلاف قرار دیا، اور بتایا کہ ایسا کردار رکھنے والے ’’حقیقی مومن‘‘ نہیں، حقیقی اہل ایمان وہ ہیں جنہیں کوئی ذاتی ضرورت پیش آئے تو ادب کے ساتھ اجازت لیکر مجلس نبوی سے جاتے ہیں،

دوسری آیت ’’یَا أَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَرۡفَعُوا أَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجۡھَرُوا لَہُ بِالۡقَوۡلِ کَجَھۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ أَن تَحۡبَطَ أَعۡمَالُکُمۡ وَأَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُونَ‘‘ کی تشریح اجمالاً تو اوپر مذکور ہوچکی ہے، یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ پہلی آیت میں اللہ اور اس کے نبی کے ساتھ تعامل کا ادب ملحوظ رکھنے کی تذکیر تھی، یہاں براہ راست نبی کے ادب اور مقام نبوت کی عظمت کا بیان ہورہا ہے، اور یہ کہا جارہا ہے کہ مجلس نبوی میں ادنی بے ادبی، یا تخاطب میں بے احتیاطی سارے اعمال صالحہ کو غارت کرسکتی ہے، صابونی نے لکھا ہے: ’’فھو رسول ونبی اصطفاہ ربہ، فلا بد أن یکون ھناك تعامل یلیق بعظمة مقامه ﷺ‘‘ (صفوة التفاسیر) ’’ایسا کیوں نہ ہو، وہ پیغمبر خدا، نبی مصطفیٰ ہیں جن کو خداوند قدوس نے منتخب فرمایا ہے، لہذا ضروری ہے کہ ان کے ساتھ تعامل وتخاطب میں ان کی عظمت شان، اور مقام بلند کا خیال

رکھا جائے‘‘

قرآن مجید کے مخاطب اول حضرات صحابہ اسی قالب میں ڈھل گئے تھے جس میں قرآن مجید ان کو ڈھالنا چاہتا تھا، جو ان کو مذکورہ آیات میں حکم دیا گیا تھا، یہ بات معمولی نہیں تھی کہ مجلس نبوی میں بے ادبی، آواز بلند کرنا، یا عام لب ولہجہ ونا مناسب انداز سے پکارنا ساری زندگی کے اعمال غارت کرسکتا ہے، بلکہ ممکن ہے کہ کوئی بے ادبی اور تخاطب کی شوخی ایسی ہو کہ تمہیں اس کا احساس بھی نہ ہوسکے، اور اعمال کی ساری پونچی سوخت ہو جائے، اس کو سن کر جو ان کے اوپر اثر ہوا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ کی آواز فطری طور پر کچھ بلند تھی، وہ جب بات کرتے تو آواز غیر اختیاری طور پر بلند ہی رہتی تھی، اس آیت کے نزول کے بعد انہیں اتنا خوف لاحق ہو کہ گھر سے نکلنا چھوڑ دیا، انتہائی غم وافسردگی کے ساتھ مجلس نبوی میں حاضری کے بجائے گھر میں محبوس ہو گئے، کہ کہیں میری بلند آواز سے آنخضرت ﷺ کو تکلیف نہ ہو جائے، اور میرے اعمال وایمان ضائع ہو جائیں، آپ ﷺ کو علم ہوا، تو آپ ﷺ نے ان کو بلایا، اور ان کی ہمت افزائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ’’امش فی الارض بسطا، فانك من أهل الجنة‘‘ گھر میں محبوس ہونے کے بجائے باہر نکلو، تم اہل جنت میں ہو‘ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ’’أما ترضى أن تعيش حميدا، وتموت شهيدا‘‘ کیا تم اس سے خوش نہیں ہو، کہ قابل تعریف زندگی گذارو، اور شہادت کی موت کے ذریعہ دنیا سے جاؤ، ظاہر ہے کہ آیت سے مراد وہ لوگ نہیں تھے جو ادب وتواضع کا خیال رکھتے اور اپنا جان ودل نبی کے قدموں میں نثار کرتے تھے،

ان ہدایات ربانی کی اثر پذیری کے بارے سید قطب شہید رقمطراز ہیں: ’’لقد عمل فی نفوسهم ذلك النداء الحبيب ،وهذا التحذير المرهوب عمله العميق الشديد، فارتعشت قلوبهم وارتجفت تحت وقع ذلك النداء الحبيب والتحذير الرعيب، وهكذا تأدبو فی حضرة رسول الله ﷺ خشية أن تحبط أعمالهم

وهم لا يشعرون، ولو كانوا يشعرون لتداركوا أمرهم، ولكن هذا المنزلق الخافي عليهم كان أخوف عليهم، فخافوه، واتقوه "(فی ظلال) ان کے دلوں میں اس محبوب ندائے ربانی اور قابل خوف تنبیہ نے شدید وگہرا اثر مرتب کیا، ان کے قلوب اس کو سن کر لرز گئے، اور وہ رسول خدا کی مجلس میں سراپا ادب وتواضع بن گئے، مبادا ان کے اعمال ضائع نہ ہوجائیں اور انہیں احساس بھی نہ ہوسکے، یقیناً اگر انہیں احساس ہوجاتا تو وہ اپنی غلطی کا تدارک کرسکتے تھے، لیکن یہ لغزش قدم جو اتنی دقیق اور پوشیدہ ہے کہ ان کی نظر واحساس سے چھپی ہوئی ہو وہ ان کے لئے زیادہ خوف کا باعث تھی، پس وہ ڈرتے تھے اور خوف محسوس کرتے تھے"

اس کے بعد کی آیت إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ" میں ان لوگوں کی تعریف ومدح بیان کی گئی ہے جو آپ ﷺ کے سامنے آواز پست رکھتے ہیں، اور مقام نبوت کی شان کے مطابق انداز تخاطب ادب وتواضع اختیار کرتے ہیں، یہ لوگ وہ ہیں جن کے قلوب کو تقوی کی آبیاری اور تخم ریزی کے لئے اللہ نے منتخب فرمالیا ہے، آیت کا صاف پیغام ہے کہ انسان ادب سے بہت کچھ حاصل حاصل کرلیتا ہے، اور بے ادبی سے سب کچھ گنوا دیتا ہے،

مولانا امین احسن اصلاحی مرحومؒ فرماتے ہیں: "یہ اس صحیح ادب کی تعلیم ہے جو رسول ﷺ کے معاملہ میں ہر صاحب ایمان کو اختیار کرنا لازم ہے، فرمایا: جو لوگ اللہ کے آگے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، درحقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالی نے تقوی کے افزائش کے لئے منتخب فرمایا ہے، لفظ "امتحن" یہاں "اصطفی" یا اس کے ہم معنی کسی لفظ پر متضمن ہے، جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ تعالی کے یہاں ہر دل تقوی کی تخم ریزی اور اس کی افزائش کے لئے موزوں نہیں ہوتا، بلکہ اس مقصد کے لئے اللہ تعالی امتحان کرکے دلوں کا انتخاب کرتا ہے، اور اس انتخاب میں اصل چیز جو ترجیح دینے والی بنتی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی کے اندر اللہ اور رسول کے لئے انقیاد وطاعت کا سچا جذبہ اور ان کے آگے فروتنی کا صحیح شعور ہے یا نہیں، یہ چیز جس کے اندر جتنی ہی

زیادہ ہوتی ہے، اور جو لوگ جس درجہ میں اس شعور سے عاری ہوتے ہیں، وہ اتنے ہی تقوی سے بعید ہوتے ہیں، آواز بلند کرنے کا ذکر، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا انسان کے باطن کے مخبر کی حیثیت سے ہوا ہے، جو شخص کسی کی آواز پر اپنی آواز بلند رکھنے کی کوشش کرتا ہے اس کا یہ عمل شہادت دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے اونچا خیال کرتا ہے،

یہ چیز اکتساب فیض کی راہ بالکل بند کر دیتی ہے، اگر استاد کے آگے کسی شاگرد کا یہ طرز عمل ہو تو وہ اس کے فیض سے محروم رہتا ہے، اسی طرح اگر اللہ کے رسول کے آگے کسی نے یہ روش اختیار کی تو وہ صرف رسول ہی کے فیض سے محروم نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالی توفیق سے بھی محروم ہو جائے گا، اس لئے کہ رسول اللہ تعالی کا نمائندہ ہوتا ہے، یہی درجہ اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کا ہے، اللہ تعالی انہی لوگوں کو تقوی کے لئے منتخب فرماتا ہے جو اس کی کتاب اور رسول کی سنت کے سامنے فروتنی کی یہی روش اختیار کرتے ہیں، جس کی ہدایت رسول کے معاملہ میں ہوئی ہے، جس شخص کے اندر اللہ ورسول کی ہر بات کے آگے سر جھکا دینے کا سچا جذبہ ہے، اللہ تعالی اس کے لئے تقوی کی راہیں کھولتا ہے، اور ہر قدم پر غیب سے اس کی رہنمائی ہوتی ہے، اور اگر کوئی شخص اس خبط میں مبتلا ہے کہ وہ قرآن وحدیث کی اصلاح کی پوزیشن میں ہے تو اس کا یہ پندار اس کے سارے عمل کو غارت، اور اس کی آخرت کو برباد کر کے رکھ دیتا ہے'' (تدبر قرآن ۷/۴۹۰)

اس آیت کے اخیر میں ایسے متواضع اور ادب شناس لوگوں سے اجر عظیم اور مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے، قابل ملاحظہ ہے کہ اگر رسول کے سامنے ادب وتواضع نہیں، قرآن وسنت کے لئے ادب کے جذبات نہیں، اللہ ورسول کے آگے کسی بھی طرح بڑھنے کا مزاج ہے تو ساری زندگی کے اعمال غارت اور آخرت برباد ہو جاتی ہے، اگر ادب وتواضع کا جوہر اور عظمت نبوی کا احساس ہے تو ان کے قلوب تقوی گنجینہ ہیں، اور ان سے اجر عظیم کا وعدہ ربانی ہے،

اس کے بعد کی آیت ''إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْراً لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ'' جو لوگ

حضورﷺ کو مجلس میں نہ پاکر ازواج مطہرات کے حجروں کے باہر سے غیر مہذب وغیر شائستہ اسلوب میں پکارتے تھے یہاں ان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ ان کا یہ عمل مناسب نہیں، ادب کا تقاضہ یہ تھا کہ انہیں صبر وانتظار سے کام لینا چاہئیے تھا، یہاں آیت کے اسلوب بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حجرات نبوی کے باہر سے پکارنے کا یہ عمل غیر مہذب اور غیر شائستہ تھا، مگر اس کی قباحت تقدم بین یدی اللہ والرسول اور مجلس نبوی میں آوز بلند کرنے کے مقابلہ کم ہے، وہاں اعمال کے ضائع ہونے کی وعید اور خطرہ تھا، لیکن یہاں اسلوب کی لطافت سے محسوس ہوتا ہے کہ قرآن ان کو ''لا یعقلون '' کہتا ہے، کہ یہ ناشائستہ وغیر مہذب اسلوب والے مقام نبوت کی عظمت سے ناسمجھ ہیں، ان کا یہ عمل مناسب نہیں، اور احترام نبوی کے خلاف ہے، اگر صبر کرتے اور انتظار سے کام لیتے تو زیادہ بہتر تھا،

میں ان آیات کی اس تشریح کا اختتام امام ابن قیم کی ایک قیمتی عبارت پر کرتا ہوں، نبی ﷺ کے ساتھ ادب واحترام، اور وقار وتواضع کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے امام موصوف فرماتے ہیں:

''فرأس الأدب معه –أی النبیﷺ– کمال التسلیم له، والانقیاد لأمره، وتلقی خبره بالقبول والتصدیق، دون أن یحمله علی معارضة خیال باطل یسمیه معقولا، أو یحمله شبهة أو شکا، أو یقدم علیه آراء الرجال وزبالات أذهانهم، فیوحده بالتحکیم والتسلیم، والانقیاد والاذعان، کما وحد المرسل سبحانه وتعالی بالعبادة والخضوع والذل والانابة والتوکل، فهما توحیدان لانجاة للعبد من عذاب الله الا بهما، توحید المرسل، وتوحید متابعة الرسول، فلا یحاکم الی غیره، ولا یرضی بحکم غیره، ولا یقف تنفیذ أمره وتصدیق خبره علی عرضه علی قول شیخه وامامه وذوی مذهبه وطائفته ومن یعظمه، فان أذنوا له نفذة وقبل

خبره،والا فان طلب السلامة أعرض عن أمره وخبره،وفوضه اليهم،والا حرفه عن مواضعه،وسمى تحريفه تأويلا وحملا،فقال :نؤوله،ونحمله،فلأن يلقى العبد ربه بكل ذنب على الاطلاق ماخلا الشرك بالله خير له من أن يلقاه بهذه الحال، ومن الادب معه أن لايستشكل قوله بل تسيشكل الآراء لقوله،ولايعارض نصه بقياس،بل تهدر الأقيسة وتلقى لنصوصه،ولا يحرف كلامه عن حقيقه لخيال يسميه أصحابه معقولا،نعم،هو مجهول وعن الصواب معزول،ولايوقف قبول ما جاء به على موافقة أحد،فكل هذا من قلة الادب معه وهو عين الجرأة'' (مدارج السالکین۲/۳۸۷)

حضورﷺ کے ساتھ ادب وتواضع کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ مومن ان کے لئے سرتاپا اطاعت وانقیاد بن جائے ،ان کے ہر حکم کے آگے سرتسلیم خم کرے،ان کی احادیث کی تصدیق کرے اوران کوکسی معارض خیال ونظریہ پر پیش کئے بغیر قبول کرے،جس خیال باطل کولوگ ''دانشمندی'' کہتے ہیں،اسی طرح مناسب نہیں کہ ان کی روایت میں کوئی شک وشبہہ پیدا کرے،یاحضورﷺ کےقول پرانسانی ذہن کے کچرے وفرسودہ خودساختہ خیالات کومقدم کرے، جس طرح مومن سے یہ مطلوب ہے کہ عبادت،انابت،توکل،اور بندگی وطاعت میں اللہ کی توحید کا قائل ہو،اس کواختیار کرے،اسی طرح یہ بھی مطلوب ہے کہ تحکیم،وتسلیم اوراطاعت وانقیاد میں تنہاحضورﷺ ہی کی ''توحید طاعت'' کا قائل ہو، یہ توحید کی دوقسمیں ہیں،جن کواختیار کئے بغیر انسان کی نجات ممکن نہیں،توحید الوہیت ،جس کا استحقاق ذات باری تعالی کا ہے،او''رتوحید طاعت وتحکیم'' جوآنحضرتﷺ کے ساتھ خاص ہے،لہذامناسب نہیں کہ بندہ مومن حضورﷺ کے سواکسی اور کے پاس فیصلہ وتحکیم کے لئے حاضر ہو،یاکسی اور کے فیصلہ پرراضی ہو،نہ ان کے قول کی تصدیق اورحکم کی تنفیذ کسی شیخ،وامام،یااپنے مذہب وطبقہ کی قابل احترام شخصیت کی موافقت پرموقوف رکھتاہو،کہ اگروہ اجازت دیں گےتب حدیث کی بات کوقبول کرے گا،اگروہ

اس سے دور رہنے کا مشورہ دیں گے تو حضورﷺ کے قول اور حدیث سے اعراض برتے گا، اور حدیث پر عمل کے معاملہ کو اپنے شیوخ کے سپرد کرے گا، ورنہ حدیث کے معنی ومفہوم میں تحریف وتأویل کرے گا، اور اس کو ایسے معنی پر محمول کرے گا جو اس کے اور اس کے شیوخ کے نظریہ کے مطابق ہوں، واضح رہے کہ انسان خدا تعالی کے سامنے شرک کے علاوہ تمام گناہوں کے ساتھ حاضر ہو یہ زیادہ بہتر ہے اس کے مقابلہ کہ حضورﷺ کے معاملہ میں اس صورتحال اور کیفیت کے ساتھ حاضر ہو،

آنحضرتﷺ کے ادب کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ ان کے اقوال وروایات کو مشکل نہ سمجھے بلکہ ان کی روایت وحدیث کے سامنے دنیا کے ہر قول ونظریہ کو مشکل سمجھتا ہو، ان کی احادیث ونصوص کو کسی قیاس کی بنیاد پر رد نہ کرے، بلکہ قیاس کو حدیث کے سامنے بے حیثیت وقابل رد سمجھتا ہو، اور نصوص نبوی کو سینے سے لگائے، کلام نبوی میں کسی قول ونظریہ کی بنیاد پر لوگوں کے نزدیک خواہ وہ کتنا ہی ''معقول وخوشنما'' کیوں نہ ہو کوئی ظاہری ومعنوی تحریف نہ کرے، حدیث نبوی کے سوا حقیقت یہ ہے کہ وہ اقوال ونظریات حقائق سے دور ہیں، بندہ مومن کے لئے کسی طرح مناسب نہیں کہ حضورﷺ کی حدیث کی تصدیق وقبولیت اور اس پر عمل کسی کی موافقت پر موقوف کرے، یہ سب آنحضرتﷺ کے ساتھ بے ادبی، گستاخی اور دربار نبوی میں جرأت کی قبیل سے ہیں''

امام ابن قیمؒ کی یہ عبارت انتہائی چشم کشا مبنی بر حقیقت اور آنحضرت سے کے ادب واحترام کے معاملہ میں انتہائی اہم ہے، قرآن مجید میں اس مضمون کی بار بار تذکیر اور یاددہانی کی گئی ہے، یہی سورہ حجرات کی ان ابتدائی آیات کا پیغام ہے،

آیئے اس کے بعد والی آیات پر غور کرتے ہیں،

(۲)فاسق وغیر متقی شخص کی خبروں کی تحقیق کا حکم، بے بنیاد خبروں کے نقصانات سے آگاہی:

یَا أَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا إِن جَاءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَیَّنُوا أَن تُصِیبُوا قَوْماً بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوا عَلَی مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِینَ

ارشاد خداوندی ہے: ’’اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی خبر لائے ،تو تحقیق کرلیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ (غلط خبر کی بنیاد پر) تم کچھ لوگوں کے خلاف نادانی میں کوئی اقدام کر بیٹھو،اور اپنے کئے پر بعد میں پشیمانی کا سامنا کرو‘‘

اس آیت کے ضمن میں میں علماء تفسیر نے اگرچہ ایک خاص واقعہ ذکر کیا ہے،لیکن اس کے الفاظ کا عموم اسلامی معاشرہ کے افراد کی تربیت سازی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، یہ آیت اہل ایمان میں جس ذوق کی نمود و پرورش کرتی ہے وہ عدل وانصاف ،اور اجتماعی مصلحت کا تقاضہ بھی اور معاشرہ کو غیر سنجیدہ اقدامات سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ بھی، تحقیق وتصدیق کا یہ ذوق مثبت نفسیات بھی پیدا کرتا ہے،اور بہت سے مہلک نتائج سے حفاظت کے لئے ڈھال فراہم کرتا ہے،مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

’’یہ مرکز (مدینہ) کے مسلمانوں کو اس طرح کے لوگوں کی طرف سے ایک سیاسی خطرہ سے آگاہ فرمایا گیا ہے،اوپر ہم اشارہ کر چکے ہیں، کہ یہ اطراف مدینہ کے بدوی قبائل کے بعض سرداروں کا رویہ بیان ہوا ہے،ان کے اندر تربیت سے محرومی باعث جس طرح نبی ﷺ کی عظمت کا صحیح شعور مفقود تھا،اسی طرح اسلامی اخوت کے صحیح احساس سے بھی یہ لوگ نا آشنا تھے،زمانہ جاہلیت میں ان کے اندر جو رقابتیں اور رنجشیں آپس میں تھیں ان کے اثرات ہنوز باقی تھے،یہ لوگ مدینہ آتے تو ان میں سے بعض اپنے حریفوں کے خلاف غلط صحیح اطلاعات دے کر نبی ﷺ کو بھی بدگمان کرنے کی کوشش کرتے ،اور صحابہ میں سے بھی جن پر ان کا اثر کارگر ہوتا ان کو اپنے حق میں ہموار کرتے ،تاکہ مدینہ کی مرکزی طاقت کو اپنے حریفوں کے خلاف اپنے حق میں استعمال

کر سکیں، یہ صورتحال ایک نازک صورتحال تھی، مدینہ کی حکومت اول تو ابھی اچھی طرح مستحکم نہیں ہوئی تھی، ثانیا اس قسم کی بے بنیاد افواہ انگیزیوں کی بنا پر اس کا کوئی اقدام خاص طور پر مسلمانوں ہی کسی گروہ کے خلاف عدل اور اجتماعی مصلحت دونوں کے خلاف ہوتا، یہ صورتحال مقتضی ہوئی کہ مرکز کے مسلمانوں کو یہ ہدایت کر دی جائے، کہ وہ اس طرح کے اہم معاملات میں فیصلہ کلیۃ نبی ﷺ کی صواب دید پر چھوڑ دیں، غیر ثقہ لوگوں کی روایات پر اعتماد کر کے پیغمبر ﷺ کو اپنی رائے سے متأثر کرنے کی کوشش نہ کریں، چنانچہ ان کو ہدایت ہوئی کہ کوئی فاسق شخص کسی اہم بات کی خبر دے تو نفس واقعہ کی اچھی طرح تحقیق کئے بغیر اس کی بات پر اعتماد کر کے کوئی اقدام نہ کر بیٹھو، مبادا کہ جوش وجذبہ سے مغلوب ہو کر کسی بے گناہ گروہ کے خلاف اقدام کر گذرو، جس پر تمہیں بعد میں پچھتا پڑے" (تدبر قرآن ۷/۴۹۲)

اسلام جس معاشرہ کی تعمیر کرتا ہے یہاں اس کی تربیت اور ذوق سازی کا بہت اہم اصول ذکر کیا جا رہا ہے، وہ یہ کہ اہل ایمان کو چاہئیے کہ جب ان کے پاس کوئی غیر متقی، غیر عادل انسان کوئی خبر لائے، تو اس کی تصدیق کرنے یا اس کی بنیاد پر کوئی اقدام کرنے سے پہلے اچھی طرح تحقیق کر لینا چاہئیے، عجلت پسندی کے اقدام، یا تحقیق کے بغیر کسی اقدام کی وجہ سے ایسا نہ ہو کہ بعد میں پشیمانی کا سامنا ہو، تحقیق وتصدیق کے بغیر کسی بات کو تسلیم کر کے فوری کوئی اقدام کرنا اہل ایمان کی شان کے خلاف بھی ہے اور کتاب وسنت کے ذوق کے بھی خلاف ہے، قرآن مجید نے ہر قول وفعل، اقدام وعمل میں جلد بازی کی ممانعت کے ساتھ سنجیدگی وتحقیق کا صریح حکم دیا ہے،

سورہ نساء میں احکام جہاد کے ذیل میں بھی اسی تحقیق وتبین کا حکم دیا گیا، ارشاد خداوندی ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِناً تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِندَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ" **اے ایمان والو! جب تم راہ خدا**

میں جہاد کے لئے نکلو تو دوست و دشمن کو سمجھنے میں اچھی طرح تحقیق کرلو، اور اگر کوئی تمہاری طرف سلام میں پہل کرے تو تم یہ عجلت پسندی میں فوراً یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں، اگر تم دنیاوی فائدہ چاہتے ہو تو جان لو کہ اللہ کے پاس تمہارے لئے بہت مال غنیمت ہے، آخر تم خود پہلے اسی حالت میں رہ چکے ہو، اللہ نے تم پر احسان کیا ہے، پس تم اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو، اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے''

سورہ نساء کی اس آیت میں بھی وہی لفظ استعمال ہوا ہے جو سورہ حجرات میں ہے، دونوں مقامات پر مقصد بھی ایک ہی ہے کہ اہل ایمان میں کسی اقدام سے پہلے تحقیق وتمیز کا مزاج ہونا چاہئیے، سورہ نساء میں جہاد کے ضمن میں بلاتحقیق اقدام کی ممانعت ہے، حجرات میں بلاتحقیق کسی خبر اور بے بنیاد پروپیگنڈہ کی بنیاد پر کسی عاجلانہ غیر سنجیدہ اقدام کی ممانعت ہے، قرآن مجید نے دونوں مقامات پر ایک ہی لفظ ''تبین'' استعمال کیا ہے، علامہ جمال الدین قاسمی نے اس لفظ کا ترجمہ ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: ''فاستظھروا صدقه من كذبه ''اس کی سچائی اور جھوٹ میں اچھی طرح تمیز کرلیا کرو (محاسن التأویل)

سورہ حجرات میں اقوال وخبروں کی تحقیق کی حکم دیا گیا ہے، اور سورہ نساء میں افعال واقدام کی تحقیق، غور وفکر اور جلد بازی نہ کرنے کا حکم ہے، بے تحقیق، بے بنیاد قول وفعل، اقدام و نظریہ اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے، درحقیقت سنجیدگی، غور تدبر کی عادت، انجام وعواقب پر نظر، اور تحقیق وتصدیق کا مزاج انسان پر اللہ کی ایک خاص نعمت ہے، اسی کو حدیث نبوی میں ''التأنی من الله، والعجلة من الشيطان '' کہا گیا ہے، یعنی سنجیدگی وغور کا مزاج اللہ کی طرف سے ایک نعمت ہے، جلد بازی، عجلت پسندی، بے تحقیق اقدام کی عادت شیطان کی طرف سے ہے،

مذکورہ آیت میں خبروں کی تحقیق کا حکم دیا گیا ہے، یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ ہر چھوٹی بڑی یا معمولی معمولی باتوں کی تصدیق اور کھوج کرید کا حکم نہیں ہے، بلکہ ایسی اہم خبریں جو اہم

ہیں، اور فی الواقع معاشرہ میں ان کی تصدیق وتکذیب سے اثرات مرتب ہوسکتے ہیں، ان کے بارے میں حکم دیا گیا ہے، یہاں قرآن مجید نے لفظ ''نبأ'' استعمال کیا ہے، اس کا مطلب کوئی اہم خبر، اہم بات، یا اہم واقعہ ہوتا ہے، یہ لفظ متعدد مقامات پر کسی اہم واقعہ یا خبر کے لئے قرآن نے استعمال کیا ہے، چند آیات پر غور کیجئے:

قرآن مجید کی ایک سورت جس میں قیامت ہولناک مناظر اور آفاق وانفس میں ربوبیت خداوندی کے بکھرے دلائل ذکر کئے گئے ہیں، اس کا نام ہی ''سورہ نبأ'' ہے، اس سورت کے آغاز میں ارشاد خداوندی ہے: ''عَمَّ يَتَسَاءلُونَ، عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ'' سورہ ''ص'' میں ارشاد ہے: ''قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ، أَنتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ'' سورہ اعراف میں بنی اسرائیل کے ایک عابد شخص کے عبرت انگیز واقعہ کے تذکرے میں فرمایا گیا: ''وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِيَ آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا'' سورہ مائدہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کے واقعہ کے ضمن میں فرمایا: ''وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ'' سورہ ابراہیم میں انبیاء کی تکذیب میں ہلاک ہونے والی اقوام کی تاریخ کے تذکرہ کے ذیل میں فرمایا گیا: ''أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ'' سورہ شعراء میں حضرت سیدنا ابوالأنبیاء ابراہیم علیہ السلام کی تابناک زندگی کے نمایاں پہلوؤں کے تذکرہ میں فرمایا ''وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ'' یہ اور اس طرح کی مزید آیات میں لفظ ''نبأ'' استعمال ہوا ہے، جو کسی اہم واقعہ، اہم ترین بات، یا روز قیامت کے معنی میں ہے، یہاں سے اندازہ ہوتا ہے کہ سورہ حجرات میں جن خبروں کی تحقیق کا حکم لفظ ''نبأ'' کے ذریعہ دیا جارہا ہے، وہ عام معمولی باتیں نہیں، بلکہ اہم خبروں کا مسئلہ ہے،

قابل غور ہے کہ یہاں تیسری مرتبہ اہل ایمان کو نداء ربانی ''یا أیھا الذین آمنوا'' سے خطاب کیا گیا ہے، اس آیت سے قبل ایک مرتبہ ''تقدم بین یدی اللہ'' کی ممانعت، اور دربار نبوت میں آواز بلند نہ کرنے کی ممانعت اسی نداء کے ذریعہ آچکی ہے،

مذکورہ آیات اور اس آیت کی ہدایت کے درمیان ربط وانسجام کا دقیق اشارہ سید قطب

شہید نے کیا ہے، ملاحظہ کیجئے: ''كان النداء الأول لتقرير جهة القيادة و مصدر التلقى، وكان النداء الثانى لتقرير ما ينبغى من أدب للقيادة وتوقير، وكان هذا وذاك هو الأساس لكافة التوجيهات والتشريعات فى السورة، فلا بد من وضوح المصدر الذى يتلقى عنه المؤمنون، ومن تقرير مكان القيادة وتوقيرها، لتصبح للتوجيهات بعدذلك قيمتها ووزنها وطاعتها، ومن ثم جاء هذا النداء الثالث يبين للمؤمنين كيف يتلقون الأنباء وكيف يتصرفون بها، ويقرر ضرورة التثبت من مصدرها '' سید قطب شہیدؒ فرماتے ہیں: ''اس سورت میں پہلی نداء ربانی اہل اسلام کے لئے قیادت کی صحیح سمت اور سر چشمہ احکام متعین کردیتی ہے، دوسری آیت میں یہی نداء ربانی اہل اسلام کے ذہن میں قیادت عظمی کے ادب واحترام، اور عظمت ومقام کو ثابت کرتی ہے، اور یہی دو چیزیں سچی بات یہ ہے کہ پوری سورت کی ہدایات واحکام کی اساس وبنیاد ہیں، چنانچہ اصولی بات تھی کہ ابتداء میں ہی مسلمانوں کے ذہن میں ان کے سر چشمہ احکام کی نشاندہی اور وضاحت صاف صاف کردی جائے، قیادت کا مقام واحترام بتادیا جائے، تاکہ سورت میں مذکور احکامات وہدایات کی صحیح قدر وقیمت اوران کی حیثیت کا اندازہ ہوجائے، اب اس کے بعد یہاں تیسری مرتبہ یہ ندائے ربانی ایک حکم اور روشن ہدایت ہے، جو اہل ایمان کو یہ تربیت دیتی ہے کہ وہ اپنے معاشرہ میں مختلف خبروں کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کریں، ان کے اقدامات وفیصلے سنی سنائی باتوں پر ہونے چاہئیں یا پھر تحقیق وتصدیق کے اعلی معیار پر مبنی ہوں، اس بنیادی اصول کی وضاحت یہاں کردی گئی'' (فی ظلال القرآن)

سچی بات یہ ہے کہ معاشرہ میں غلط خبریں پھیلانا، بے تحقیق باتیں بیان کرنا، غلط افواہیں اڑانا جس طرح ممنوع اور شرعا بری عادت ہے، اسی طرح سنی سنائی باتوں پر یقین کرلینا، بے بنیاد خبروں کی بنیاد پر کوئی رائے قائم کرنا یا اقدام کرلینا بھی مزاج شریعت کے خلاف اور قرآن وسنت کے نصوص کے خلاف ہے، معاشرہ میں اس کے ظاہری نقصانات تو ہوتے ہی ہیں، باطنی اور نفسیاتی نقصانات بھی کچھ کم نہیں ہوتے، معاشرہ کے افراد کا مزاج ونفسیات اسی سانچہ میں ڈھل جاتا ہے،

غور کا مقام ہے کہ قرآن مجید اہل ایمان کی زندگی کی اساس ہی اس کو قرار دیتا ہے کہ جھوٹی و بے تحقیق خبریں نہ تو پھیلائی ئی جائیں، اور نہ بے تحقیق ان پر کسی فکر ونظریہ کی بنیاد رکھی جائے، مگر بالخصوص آج سوشیل میڈیا کے دور میں عوام ہی نہیں خواص بلکہ اچھے اچھے علماء کا جو حال ہوگیا ہے وہ قابل افسوس کے ساتھ شرمناک بھی ہے، جھوٹے و بے بنیاد پروپیگنڈے کرنا، کسی کے بارے میں غلط افواہیں اڑانا ایسا لگتا ہے کہ کوئی جرم ہی نہیں رہ گیا ہے، نہ کسی کے خلاف جھوٹ گڑھتے کوئی گناہ نظر آتا ہے، نہ اپنے اخلاقی دیوالیہ پن کی قباحت وگھن محسوس ہوتی ہے، اسی طرح سنی سنائی باتوں اور بے بنیاد خبروں پر یقین کر کے کسی کے بارے کوئی نظریہ قائم کرلینا، اور بلاتحقیق اقدامات کرلینا کوئی خلاف اخلاق وایمان بات نہیں محسوس ہوتی، بسا اوقات علماء، اور اصحاب جبہ ودستار بھی اس قبیح اخلاقی رذیلہ سے نہیں بچ پاتے، اسلام نے دونوں باتوں سے صراحت کے ساتھ اپنے متبعین کو باز رہنے کا حکم دیا ہے، نہ تو جھوٹی، بے بنیاد باتیں اڑائی جائیں، نہ سنی سنائی باتوں پر یقین کیا جائے، نہ ہی ہر سنی سنائی بات کو عام کرنے اور پھیلانے کا مزاج اختیار کیا جائے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ’’كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع‘‘ انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات کو بلاتحقیق بیان کرنے کی عادت ہو، جب کسی میں یہ عادت ہوتی ہے وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر جھوٹ سے محفوظ نہیں رہ سکتا، مگر افسوس کہ آج جھوٹ، ملمع سازی، پروپیگنڈہ بازی فیشن وفنکاری بن گئی ہے، بلاتحقیق، بے بنیاد باتوں کی تشہیر انسان کی شخصیت کا حصہ بن چکی ہے،

(۳) نبی کی اطاعت، نعمت ایمان کا احساس اور اس پر استقامت کی ضرورت، کفر وعصیان سے نفرت

وَاعۡلَمُوا أَنَّ فِيكُمۡ رَسُولَ اللَّهِ لَوۡ يُطِيعُكُمۡ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الۡأَمۡرِ لَعَنِتُّمۡ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيۡكُمُ الۡإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمۡ وَكَرَّهَ إِلَيۡكُمُ الۡكُفۡرَ وَالۡفُسُوقَ وَالۡعِصۡيَانَ أُوۡلَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ، فَضۡلاً مِّنَ اللَّهِ وَنِعۡمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ

ارشاد خداوندی ہے: ''اچھی طرح جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے، اگر بہت سے معاملات میں وہ تمہاری بات مان لیا کرے تو تم خود مشکل میں پھنس جاؤ گے، لیکن اللہ نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے، اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا ہے، اور تمہاری نگاہ میں کفر وفسق اور عصیان کو مبغوض بنا دیا ہے، ایسے ہی لوگ دراصل فضل خداوندی اور انعام ربانی سے ہدایت یافتہ ہیں، اور اللہ بہت جاننے والا اور حکمت والا ہے''

مذکورہ آیت سابق مضمون کا تتمہ ہے، اس سے پہلے یہ بیان ہوا تھا کہ اہل ایمان کے لئے مناسب نہیں کہ اللہ ورسول سے آگے بڑھیں، ان کے سامنے از خود بڑھ بڑھ کر اپنی رائے پیش کریں، اسی طرح انہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ پیغمبر خدا کے ساتھ تعامل وتخاطب میں عام انسان کی طرح برتاؤ کریں، نیز یہ تنبیہ تھی کہ کسی غیر متقی شخص کی بے بنیاد خبر کو بلا تحقیق تسلیم نہیں کرنا چاہئیے، اور یہاں ان لوگوں کے ذوق ومزاج پر تنبیہ کی جارہی ہے جو دربار نبوی میں آکر یہ خواہش رکھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ ان کی باتیں تسلیم کریں، اور بہت سے معاملات وامور میں ان کی رائے ومشورہ کو اہمیت دیں، یہ بعض لوگوں کا ذوق ہوتا ہے کہ ان کی رائے اور خواہش کا احترام کیا جائے، ظاہر ہے کہ نبی احکام خداوندی کا پابند ہوتا ہے، اور وحی ربانی کی روشنی میں انسانی قافلوں کی قیادت کرتا ہے، یہاں یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ نبی لوگوں کی ہر خواہش کا احترام اور ہر رائے کو تسلیم کرے، یہ نہ عقل ومنطق کی میزان میں درست ہے اور نہ ہی شرعی نصوص کی روشنی میں اس کی گنجائش ہے، بندہ مومن کو تو ہر آن اس کا احساس وشعور اپنے اندر رکھنا چاہئیے کہ ایمان کی دولت اللہ

کافضل اوراس کی خاص نعمت ہے،اس نعمت کا تقاضہ یہ ہے کہ پورے شعوراور جذبات تشکر وامتنان کے ساتھ اللہ ورسول کی اطاعت کرنا چاہئیے ،خلاف ایمان باتوں سے،اللہ ورسول کی نافرمانی سے اجتناب کرنا چاہئیے ،درحقیقت نبی کی کامل اطاعت ہی انہیں زندگی کے ہر محاذ پر کامیابی اور رشد وہدایت سے ہمکنار کرسکتی ہے،ورنہ اگروہ یہ خواہش رکھیں کہ پیغمبر خداان کی بات مانیں،اوران کی رائے ومشورہ کی پابندی کریں تو یہ طریقہ نامناسب بھی ہے،اور ہلاکت ومشکلات کی وادیوں میں پہنچادینے والا بھی ہے،

مولاامین احسن اصلاحی مرحوم فرماتے ہیں:’’یہ اسی تنبیہ کی مزید توکید ہے کہ جب تمہارے اندراللہ کا رسول موجود ہے،توتمہیں اپنی رایوں اوراپنے مشوروں کواتنی اہمیت نہیں دینی چاہئیے کہ رسول کواپنے پیچھے چلانے کی کوشش کرو، بلکہ تمہیں ان کے پیچھے چلنا ہے،وہ جوقدم بھی اٹھاتے ہیں اللہ کی رہنمائی میں اٹھاتے ہیں،اسی وجہ سے تمہاری دنیاوآخرت کی فلاح ان کی پیروی میں ہے نہ کہ اپنے جذبات کی پیروی میں،اگرتمہیں کوئی رائے پیش کرنی ہوتوادب سے اپنی رائے پیش کرکے فیصلہ رسول کی صوابدید پرچھوڑو، یہ خواہش نہ کروکہ تمہاری ہر رائے لازماً ہی مان لی جائے،اچھی طرح یادرکھوتمہاری بہت سی رائیں خام ہوتی ہیں،اللہ کا رسول ان سب کواگر مان لیا کرے توتم بڑی مصیبت میں پھنس جاؤگے،وہ تمہاری انہی رایوں کو مانتے ہیں جوصائب ہوتی ہیں،ان کی بدولت تمہیں ہرقدم پراللہ کی رہنمائی حاصل ہے،تواس نعمت کی قدرکرو،اوراپنے رب کے شکرگذاررہو‘‘(تدبرقرآن ۷/۴۹۳)

یہاں غورکیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایمانی معاشرہ کے افراد کی یہ تربیت بھی مقصود ہے کہ اللہ ورسول پرایمان اوران کی اطاعت کے ساتھ اہل ایمان کوچاہئیے کہ وہ اپنی قیادت کاادب واحترام ملحوظ رکھیں،قائدکواپنی خواہشات کا پابند بنانا اوراسے اپنی رائے ومشورہ کے ماتحت سمجھنا درست نہیں ہے،انفرادی رائیں اورخواہشات اگرنیک جذبات کے ساتھ بھی ہوں تب بھی اجتماعی مصلحتوں کے خلاف ہوسکتی ہیں،اورپیغمبرتوقائدکے ساتھ اللہ کا نمائندہ اوراس کا فرستادہ ہوتا

ہے، ہر قدم پر وحی ربانی اس کی رہنمائی ودستگیری کرتی ہے،اس کے سامنے کسی کی انفرادی رائے وخواہش کسی طرح مناسب نہیں،

بندہ مومن کوتو یہ چاہیئے کہ نعمت ایمان پر اپنے رب کا شکر بجالائے،آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کومحبوب بنادیا،اور ایمان کو دلوں میں مزین کردیا ہے، نیز کفر،فسق ومعصیت کو مبغوض ومکروہ بنادیا ہے،اس مضمون میں بڑا لطیف اشارہ ہے کہ ایمان کی حقیقت انسان کے دل میں اتر جاتی ہے،ایمان کا نور اس کے رگ وریشہ میں اتر جاتا ہے،تو اعمال صالحہ وطاعات، بندگی وعبادت اس کو محبوب ہو جاتے ہیں،اس کو ایمانی ماحول میں لذت وحلاوت محسوس ہوتی ہے،کفر ومعصیت سے نفرت ہو جاتی ہے،اس کو فسق وفجور کے ماحول میں گھٹن محسوس ہوتی ہے، یہ ایسی نعمت اور فضل خداوندی ہے کہ جس کو مل جائے اس کی آخرت تو جنت ہوگی ہے، دنیا میں بھی جنت ہوتی ہے،

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ نے بندہ مومن کو ایمان محبوب بنادیا ہے اور اس کو اس کے دل میں مزین وخوبصورت بنادیا ہے، نیز قرآن مجید نے تین لفظ استعمال کئے ہیں،کفر،فسق اور عصیان، جن کو ایک مومن کی نظر میں مبغوض ومکروہ بنایا ہے،ایمان کی توفیق کے بعد اللہ کی ایک مزید نعمت بندہ مومن پر یہ ہوتی ہے کہ ایمان کی لذت وحلاوت انسان کو محسوس ہوتی ہے، طاعت وعبادت میں چاشنی ومزہ محسوس ہونے لگتا ہے،حدیث نبوی میں اس کی علامات اور پہچان ذکر کی گئی ہے،ارشاد نبوی ہے’’ثلاث من کن فیه وجد بهن حلاوة الایمان،أن یکون الله ورسوله أحب الیه مما سواهما،،أن یکره العبد أن یرجع عن الاسلام کما یکره أن یقذف فی النار،وأن یحب العبد العبد ،لایحبه الا لله عزوجل ‘‘ (رواہ مسلم،) تین باتیں جس شخص کے اندر ہوتی ہیں،اس کو ان کی بدولت ایمان کی حلاوت ملتی ہے،پہلی چیز یہ کہ اس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ محبوب وعزیز ہو، دوسری چیز یہ کہ کفر کی طرف دوبارہ رجوع ایسا ہی ناپسندیدہ ہو جیسے آگ میں ڈالا جانا ناپسندیدہ ہوتا ہے،

تیسری چیز یہ کہ اگر کسی بندہ سے محبت ہو تو صرف اللہ کے لئے ہو"

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:"ذاق طعم الایمان، من رضی باللہ ربا، وبالاسلام دینا، وبمحمد رسولا "اس شخص کو ایمان کا مزہ مل گیا جو اللہ کو رب مان کر راضی ہو، اسلام کو دستور حیات مان کر خوش ہو، اور محمد ﷺ کو رسول اور اپنا قائد ورہبر مان کر راضی ہو" (مسند احمد)

ان روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ بندہ مومن کے لئے ایمان کے کمال کا معیار یہ ہے کہ اس کو عقیدہ سے بڑھ کر ایمان کی لذت وحلاوت محسوس ہونے لگے، یہ دولت ان خوش نصیب بندوں کو ملتی ہے جن کے اندر مذکورہ صفات پائی جاتی ہیں، سورہ حجرات کی اس آیت سے یہی مفہوم مترشح ہوتا ہے کہ ایمان کی توفیق کے ساتھ ساتھ اللہ اپنے مخلص بندوں کے لئے ایمان کو محبوب بنا دیتا ہے، اور ان کے طاق دل کو اس سے مزین وآراستہ فرما دیتا ہے، انہیں کفر ومعصیت سے نفرت ہوتی ہے، گناہ سے جی گھبراتا ہے، بندگی وطاعت میں لذت ملتی ہے، یہ ایمان کا اعلی مرتبہ ہے،

آیت مذکورہ میں اللہ کا ارشاد ہے کہ"وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ "اللہ نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب بنا دیا ہے، یہاں ایک بہت دقیق اشارہ یہ بھی ہے کہ ایمان سے مراد صرف "عقیدہ" یا محض "تصدیق واقرار" ہی نہیں ہیں، بلکہ عقیدہ کے ساتھ اعمال صالحہ، مکارم اخلاق، اور ایمان کے جملہ تقاضے مراد ہیں، اس لئے کہ آگے اس کے مقابل جس چیز کو مبغوض ومکروہ بنانے کا تذکرہ ہے وہ تین چیزیں ہیں،:"وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ " یعنی اللہ نے تمہارے لئے عقیدہ کفر، فسق ونافرمانی کو مبغوض بنا دیا ہے، ظاہر ہے کہ عقیدہ ایمان کی ضد کفر ہے، اور اعمال صالحہ وطاعات، بندگی وعبادت کی ضد فسق ونافرمانی ہے، جن بندوں کو ایمان کی دولت کے بعد طاعات کی لذت، اعمال صالحہ کی محبوبیت کا جذبہ، ان کا شوق اور حلاوت نصیب ہو جاتی ہے وہ بہت بامراد اور اللہ کے خصوصی انعام یافتہ ہوتے ہیں، امام ابن تیمیہؒ اپنی مشہور

کتاب؛ ”رسالة العبودية“ میں لکھتے ہیں؛

”فان المخلص لله ذاق من حلاوة عبوديته لله ما يمنعه من عبوديته لغيره، اذ ليس فى القلب السليم أحلى ولا أطيب ولا ألذ ولا أسر ولا أنعم من حلاوة الايمان المتضمن عبوديته لله، ومحبته له، واخلاص الدين له، وذلك يقتضى انجذاب القلب الى الله فيصير القلب منيبا الى الله خائفا منه راهبا “ (العبودیۃ ص ۶) ایک مخلص بندہ مومن کو اللہ کی بندگی کی ایسی لذت وحلاوت ملتی ہے جو اس کو غیر اللہ کی بندگی اور اس کے آگے جبہ سائی سے روکتی ہے، ظاہر ہے کہ کسی بھی شفاف وصاف دل میں ایمان کی لذت سے بڑھ کر شیریں، خوشگوار، لذیذ، پرمسرت کوئی اور چیز نہیں ہوسکتی، جس کا لازمی نتیجہ اللہ کی بندگی وطاعت، اس سے محبت وعشق، اسی کے لئے اخلاص کا جوہر ہوتا ہے، اور پھر اس کا تقاضہ یہ ہوتا ہے قلب اللہ کی جانب کیفیات کے ساتھ کھنچا چلا جاتا ہے، اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اسی سے خوف وخشیت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں“

سچی بات یہ ہے کہ حقیقی ایمان انسان کی زندگی میں ایسے خوبصورت احساسات وجذبات، لذت وحلاوت پیدا کرتا ہے، جب ایمان کی محبت ولذت کی یہ شمع طاق دل میں روشن وتاباں ہوجاتی ہے تو اس کی بصیرت وفراست اور معرفت کا کیا کہنا! ان کی زندگی کا ہر لمحہ روشن، ہر قدم شادکام ہوتا ہے، کامیابی کی منزلیں ان کے قدموں میں حاضری دیتی ہیں، اسی حقیقی ایمان کی کیفیت ولذت کو ”وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ“ کی تعبیر میں بطور فضل وانعام خداوندی بیان کیا گیا ہے، ایک ایسے ہی رمز آشنا، صاحب معرفت وبصیرت شخص امام ابن قیمؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

”اذا استغنى الناس بالدنيا فاستغن أنت بالله، واذا فرحوا بالدنيا فافرح أنت بالله، واذا أنسوا بأحبابهم فاجعل أنسك بالله، واذا تعرفوا الى ملوكهم وكبرائهم وتقربوا اليهم لينالوا بهم العزة والرفعة فتعرف أنت الى

الله وتودد اليه تنل بذلك غاية العز والرفعة ''(الفوائد ۱۲۵) جب لوگ دنیا کے ذریعہ بے نیازی اختیار کریں تو تم ذات باری تعالی کے ذریعہ ہر چیز سے بے نیازی اختیار کرو، جب اہل دنیا اپنی دنیا سے خوش ہوں تو تم اللہ کے ذریعہ اپنی فرحت وشادمانی کا اعلان کرو، جب لوگ دنیا میں اپنے دوست واحباب کی ہم نشینی سے انسیت محسوس کریں تم اپنی انسیت ومحبت خدا تعالی کی خلوت سے اختیار کرو، جب لوگ اپنے بادشاہوں اور بڑوں کے ذریعہ اپنی پہچان بنائیں، عزت وسربلندی حاصل کرنے کے لئے ان کا تقرب اختیار کریں تو تم اللہ کے ذریعہ اپنی پہچان وشناخت بناؤ، اس کا قرب ومحبت اختیار کرو تمہیں عزت ورفعت کی اعلی مقام نصیب ہوں گے''

اللہ کے جن بندوں کو یہ کیفیات نصیب ہوں، کفر ومعصیت اور فسق وفجور سے نفرت ہو در حقیقت وہی ہدایت یافتہ ہیں، رشد وہدایت کی راہوں پر وہی گامزن ہیں، اسی لئے قرآن مجید نے ان باتوں کے تذکرہ کے بعد فرمایا: ''أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ '' کہ رشد وہدایت سے ہمکنار یہی لوگ ہیں،

''أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ '' ''رشد'' قرآن مجید کی ایک خاص اصطلاح ہے، یہ لفظ اپنے مختلف مشتقات اور صیغوں کے ساتھ تقریبا انیس مقامات پر قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے، یہ لفظ حقیقت میں تو ''گمراہی، ضلال، اور عقلی کمزوری وبودے پن'' کی ضد ہے، انہی مختلف معانی میں قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے، یہاں جن لوگوں کو قرآن ''أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ '' اصحاب رشد وہدایت کہتا ہے، اس لفظ کی معنویت کو سمجھنے کے لئے قرآنی استعمالات کو دیکھتے ہیں، یہ لفظ مختلف مقامات میں مندرجہ ذیل معانی میں استعمال ہوا ہے:

۱- ہدایت، حق، اور ایمان: سورہ بقرہ میں مثلا اللہ رب العزت کا ارشاد ہے ''لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَي '' عقیدہ توحید اور ایمان کے بارے میں کوئی جبر نہیں، حق گمراہی کے مقابلہ واضح ہو چکا'' مزید چند اور آیات میں سی معنی میں مستعمل ہے،

۲- عقل ونظر کی پختگی، بالغ نظری: سورہ نساء میں ارشاد ربانی ہے: ''وَابْتَلُوا الْيَتَامَى

حَتَّـى إِذَا بَـلَغُواُ النِّكَاحَ فَإِنُ آنَسُتُم مِّنُهُمُ رُشُداً فَادُفَعُواُ إِلَيُهِمُ أَمُوَالَهُمُ '' یتیموں کو جانچ لو، جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں، تو اگر ان میں عقل کی پختگی، اور معاملہ فہمی کی صلاحیت محسوس کرو تو ان کے مال ان کے حوالہ کر دو

۳-صلاح ودرستگی؛ سورہ اعراف میں بنی اسرائیل کے متکبرین اور حق ناشناسوں کے تذکرہ کے ضمن میں اللہ کا ارشاد ہے؛ ''وَإِن يَـرَوُاُ سَبِيُـلَ الـرُّشُـدِ لاَ يَتَّـخِذُوهُ سَبِيلاً وَإِن يَرَوُاُ سَبِيُلَ الُغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيُلاً '' جب یہ درست وصحیح منہج وراستہ دیکھتے ہیں تو نہیں اختیار کرتے، اور اگر غلط وگمراہی کی راہ دیکھتے ہیں تو اختیار کر لیتے ہیں،

۴-علم؛ حضرت موسی وخضر علیہما السلام کے واقعہ میں سورہ کہف میں ارشاد خداوندی ہے؛ ''قَـالَ لَـهُ مُوسَى هَلُ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمُتَ رُشُدا '' حضرت موسی نے ان سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں، اس طور پر کہ آپ مجھے بھی وہ علم سکھائیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے،

۵-نفع؛ سورہ جن میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا؛ ''قُـلُ إِنِّـي لاَ أَمُـلِكُ لَكُمُ ضَرّاً وَلاَ رَشَدا '' آپ کہہ دیجئے، کہ میں تمہارے لئے نہ کسی نقصان کا مالک ہوں اور نہ ہی نفع کا

اگر ان آیات میں اس لفظ کے مختلف سیاق اور استعمالات کو دیکھیں تو نظر آئے گا کہ ہدایت وایمان، عقلی پختگی بالغ نظری، صلاح ودرستگی، علم اور نفع کے معانی میں یہ لفظ مستعمل ہے، اب اس روشنی میں سورہ حجرات کی آیت کے مفہوم اور سیاق پر غور کیجئے، کیا عجب کہ جن کے قلوب میں خدا تعالی نے ایمان کو محبوب ومزین بیانا ہے، ان کے طاق دل میں ایمان کی شمع روشن کر دی ہے، اور ایمان کی محبوبیت اور بندگی کی لذت جن کو عطا کی گئی ہے ان کے اندر ہدایت وایمان، بالغ نظری، صلاح، علم ومعرفت اور نافعیت کی جامع صفات بھی ہوں، ایسے ہی انسانوں اور بندگان خدا کو ''أُولَـئِكَ هُمُ الرَّاشِدُون '' کہا گیا ہے، بہر حال ایک انتہائی جامع وصف ہے جس کو قرآن میں یہاں بیان کیا گیا ہے،

اسی لئے اس کے فوراً بعد ارشاد ہوا ''فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْم''

یہاں یہ تذکیر ہے کہ یہ ہدایت ربانی دراصل اللہ کا خصوصی فضل وانعام ہے، اللہ اپنے علم وحکمت کے مطابق جس کو جتنا چاہتا ہے نوازتا ہے، اہل ایمان کو اس نعمت کے حصول پر رب کے حضور شکر بجالانا چاہیئے، اس خام خیالی میں ہرگز نہ رہیں کہ یہ دولت ان کو اپنے بل بوتے پر بغیر توفیق الٰہی ازخود مل گئی ہے،

(۴)اخوت ایمانی کے تقاضے، اور اختلاف باہمی کے وقت اجتماعی ذمہ داری

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (9) إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

ارشاد خداوندی ہے:''اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان مصالحت کرادو، اگر ان میں سے کوئی ایک گروہ دوسرے پر زیادتی اور تعدی کرے تو اس سے جنگ کرو جو زیادتی کرنے والا گروہ ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلہ کی طرف رجوع کرلیں، اگر وہ رجوع کرلیں تو دونوں کے درمیان مصالحت کرادو، اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے، اہل ایمان آپس میں بھائی ہیں، لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان مصالحت کراؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے''

آیت مذکورہ میں اہل ایمان کی اجتماعیت کے تحفظ وسلامتی اور ان کے معاشرہ کی وحدت کو قائم رکھنے کے ذریں اصول ذکر کئے گئے ہیں، رنگ ونسل، قوم وقبیلہ کی عصبیت سے بالاتر ہو کر ان کے باہمی تعلقات کی مستحکم بنیاد بتائی گئی ہے، اہل ایمان کی باہمی اخوت ان کی قوت وطاقت کا سرچشمہ بھی ہے اور ان کی بقاء وسلامیت کا راز بھی ہے، اس سے ماقبل سورہ الفتح کی آخری آیت میں اللہ تعالی نے اہل ایمان کی صفات وخصوصیات ذکر فرمائی ہیں، ارشاد ربانی ہے: ''وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ'' اور وہ جو پیغمبر کے ساتھ ہیں کفار کے لئے سخت ہیں، آپس میں سراپا رحم ہیں'' ایمانی معاشرہ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ حلقہ یاراں میں بریشم کی طرح نرم اور رزم حق وباطل میں فولاد ہوتے ہیں، ان کی اس صفت کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ ان کی اجتماعیت کو انتشار باہمی، اور آپس کے جنگ وجدال سے بچایا جائے، ان کی اخوت ایمانی کا شعور

ہر دم بیدار رہے، اگر کبھی اخوت ومحبت کے خلاف کوئی صورت حال پیش آئے تو یہ ان کا اجتماعی وملی فریضہ ہے کہ وہ اپنی اخوت کو مستحکم کریں، باہمی جنگ وجدل، اختلاف وانتشار کو فیصلہ خداوندی اور کتاب وسنت کی روشنی میں حل کریں، باہمی مصالحت سے آپس کی کبیدگی ورنجش کو دور کریں، عدل وانصاف کی میزان قائم کریں، اگر کوئی گروہ باہمی مصالحت کے خلاف عدل وانصاف سے انحراف کرتے ہوئے حق کے آگے سر تسلیم خم نہ کرے، تو ہر ممکن تدبیر کے ذریعہ اس گروہ کو بھی حق کا پابند اور فیصلہ خداوندی کا مطیع بنایا جائے، باہمی مصالحت کی کوششیں ہوں یا ظلم وتعدی اختیار کرنے والے گروہ کے خلاف کوئی کاروائی ہو، خوب یاد رہے کہ انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، یہاں بار بار عدل وانصاف کی تذکیر اسی لئے کی گئی ہے، کہ تمام تر جد وجہد کا ماحصل اور کوششوں کا مقصد انصاف کا قیام اور اخوت ایمانی کا فروغ ہے،

چنانچہ اس آیت میں پہلا حکم دیا گیا ہے ''وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا '' اگر اہل ایمان کے دو گروہ باہم لڑ جائیں تو آپس میں مصالحت کرادو'' قرآن مجید اسلامی معاشرہ کی تعمیر اخوت ومحبت کی بنیاد پر کرتا ہے، لیکن شیطان ونفس کے فریب سے کبھی انسان مغلوب ہوکر باہمی محبت واخوت پر تیشہ چلا دیتا ہے، اور اس کی جگہ اختلاف وانتشار سے لیکر باہمی جنگ وجدل تک جا پہنچتا ہے، یہ اختلاف وجدال افراد کے درمیان بھی ہوسکتا ہے، اور گروہ وجماعتوں میں بھی ہوسکتا ہے، بہر صورت قرآن مجید نے باہمی اصلاح اور مصالحت کا حکم دیا ہے، اور یہ ہدایت دی گئی ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ آپسی اختلاف ونزاع کو ختم کرکے باہمی مصالحت کے ذریعہ اخوت ومحبت کو زندہ کریں، اور اسی پر قائم رہیں،

''اصلاح باہم'' ایک انتہائی اہم اور دینی اجتماعی ملی فریضہ ہے، قرآن اور سنت میں اس کے متعلق مستقل فضائل واحکام وارد ہوئے ہیں، قرآن مجید میں ''اصلاح باہم'' کی متعدد نوعیّتوں کو مختلف اسالیب میں بیان کیا گیا ہے، انفرادی سطح پر اسلامی معاشرہ میں لوگوں کے درمیان اگر اختلاف اور باہمی نزاع یا آپسی رنجش پیدا ہوجائے قرآن مجید میں اس کو دور کرنے اور

اس کی اصلاح کا بھی حکم دیا گیا ہے،سورہ نساء میں ارشادربانی ہے:''لَّا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْراً عَظِيماً '' ان لوگوں کی بہت سی سرگوشیوں میں خیر کا کوئی پہلو نہیں، ہاں جوشخص خیر خیرات کی بات کرے، یا کوئی بھی بھلی اور اچھی بات کرے، یا لوگوں کے درمیان اصلاح باہم اور تعلقات کو بہتر بنانے کی بات کرے، جوشخص بھی اللہ کی رضا چاہتے ہوئے ایسا کرتا ہے ہم اس کو عظیم اجر سے نوازیں گے'' آپس کے کشیدہ تعلقات کو بہتر بنانے اور اصلاح باہم کے لئے ایک اور آیت میں اللہ نے مزید حکم دیا ہے، سورہ انفال میں ارشاد خداوندی ہے:''فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ''پس تم کو اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئیے ،اور آپس کے تعلقات درست رکھنے چاہئیں، اصلاح باہم کا کام کرنا چاہئیے ،اور اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرنا چاہئیے اگر تم مومن ہو''

ان آیات اوران کے علاوہ بعض دیگر آیات میں اسلامی معاشرہ میں آپس میں بہتر تعلقات بنانے اور اصلاح ذات البین کا حکم دیا گیا ہے، کہ اگر لوگوں کے درمیان تعلقات کشیدہ ہوجائیں، باہم رنجش واختلاف ہوجائے، تو ان کو درست کرنا چاہئے، ان کے درمیان دوسرے لوگوں کواصلاح ذات البین کا فریضہ انجام دینا چاہئیے ،

اسی طرح اگر زوجین کے درمیان تعلقات کشیدہ ہوجائیں، ان کے درمیان اختلاف ونزاع ہوجائے ،قرآن مجید میں ان کے درمیان بھی صلح صفائی اوراصلاح کا حکم دیا گیا ہے، بلکہ ایسا لگتا ہے کہ خانگی زندگی کی کشیدگی دور کرنا اور اصلاح کرنا بھی قرآنی نقطہ نظر سے مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے، ارشادربانی ہے:''وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَماً مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحاً يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا '' اگر تم زوجین کے درمیان نزاع باہم کا اندیشہ کرتے ہو تو شوہر کے خاندان سے ایک فیصل وحکم اور بیوی کے گھرانے سے ایک فیصل وحکم طے کردو، اگر وہ دونوں اصلاح باہم چاہیں گے تو اللہ دونوں کے درمیان توفیق عطا فرمائے گا'' اس

آیت میں زوجین کے درمیان نزاع واختلاف کوختم کرنے کی ایک تدبیر یہ بتائی گئی ہے کہ اگر زوجین خوداپنے اختلاف کوختم کرنے میں ناکام ہوجائیں،اورخودکوئی تدبیرنہ کرسکیں تواہل ایمان کو چاہیئے کہ دونوں کے خاندان سے ایک ایک حکم یافیصل طے کردیں جومعاملہ کا جائزہ لیکردونوں کے درمیان اصلاح اورتعلقات بحال کرنے کی کوشش کریں،مولانا دریابادی نے اس آیت کی تفسیر میں کیاخوب لکھاہے:

’’خطاب عام امت اسلامیہ کو ہے،اور حکام واہل حل وعقدکو بدرجہ اولی۔۔امت اور افرادامت کا ساتھ چولی دامن کا ہے،افراد کے باہمی اور خانگی مناقشوں سے معاشرہ اسلامی کا دامن بالکل الگ اور بےتعلق نہیں،کہ افراد ہی کی صالحیت پرامت کی صالحیت کامدار ہے،آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ افراد کے خانگی نزاعوں کوامت اپنا ہی معاملہ سمجھے‘‘(تفسیر ماجدی)

باہمی اختلاف ونزاع افراد کے درمیان ہو یازوجین کے درمیان قرآن مجیداس کو باقی نہیں رکھتا،بلکہ ان کی اصلاح کواجتماعی وملی ذمہ قرار دیتا ہے،اسی طرح اگرمسلم معاشرہ میں مختلف جماعتوں اورگروہوں میں اختلاف پیدا ہوجائے، باہمی نزاع جنگ وجدل کی صورت اختیار کرلےتوسورہ حجرات میں اس کودور کرنے اور باہمی مصالحت کرانے کاحکم دیا گیاہے،ارشاد ہے کہ اگراہل ایمان کے دوگروہ آپس میں لڑجائیں توان کے درمیان مصالحت کرادو،پھراس کے بعدکی آیت میں فرمایا گیاہے’’إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ‘‘اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں،لہذا اپنے بھائیوں میں مصالحت کراؤ،اس لطیف تعبیر میں یہ اشارہ پنہاں ہے کہ مسلم معاشرہ کے افرادوجماعت میں اگر باہم اختلاف ونزاع ہوجائے توباقی افرادکو اصلاح کی ایسی ہی فکردامن گیرہونا چاہیئے جیسےاپنے گھراورخاندان کےاختلاف میں ہوتی ہے،صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد کی حدیث منقول ہےجس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اصلاح کا کیسااہتمام فرماتے تھے،حضرت سہل فرماتے ہیں:’’أن أهل قباء اقتتلوا حتى تراموا بالحجارة، فأخبر رسول الله ﷺ بذلك،فقال:اذهبوا بنا نصلح

بینھم ''ایک مرتبہ قباء کی بستی میں لوگوں کے درمیان آپس میں لڑائی ہوگئی، یہاں تک کہ باہم سنگ باری تک نوبت جا پہنچی، آپ ﷺ کو بتایا گیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمارے ساتھ وہاں چلو، ہم ان کے درمیان صلح کراتے ہیں'' (صحیح بخاری)

آیت کے اس جملے کے بعد اسی آیت میں دوسرا حکم یہ ہے: ''فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ''اگر ایک گروہ دوسرے گروہ پر ظلم وتعدی کرے تو تم ظلم کرنے والے گروہ سے جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی جانب رجوع کر لے، اگر وہ رجوع کر لے تو دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ مصالحت کرادو، اور انصاف کرو''

آیت میں یہ حکم ہے کہ اگر اہل ایمان کے دو گروہ اپنے نزاع اور اختلاف میں مصالحت پر تیار نہ ہوں بلکہ ان میں ایک گروہ مصالحت کے شرطوں کے خلاف یا اجتماعیت کے خلاف آمادہ جنگ ہو، عدل وانصاف کو قبول نہ کرتے ہوئے اپنے مقابل گروہ پر ظلم وتعدی پر آمادہ ہو تو مسلمانوں کو چاہئیے کہ باغی اور ظالم گروہ کو ہر ممکن طریقہ سے روکیں، حتی کہ اگر ان کے خلاف طاقت استعمال کرنا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کریں، لیکن یاد رہے کہ مصالحت ہو یا ظالم گروہ سے جنگ وقتال، بہر صورت خاندانی، قبائلی، علاقائی عصبیت کی بنیاد پر کوئی اقدام نہیں ہونا چاہئیے، تمام تر جد جہد کا مقصد عدل وانصاف کا قیام، اخوت کا فروغ اور حکم خداوندی پر قائم کرنا ہو،

قتال کی مختلف قسمیں اور نوعتیں ہیں، مثلا ایک ''قتال الکفار'' ہے، کفار سے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے، غلبہ دین حق کی تکمیل کے لئے، یا اسلام کے خلاف کفار کی کاروائیوں اور اقدامات کو روکنے لئے جنگ کی جاتی ہے، قرآن مجید میں ''قتال المحاربین'' کا بھی تذکرہ ہے، یعنی اس جماعت کے ساتھ جنگ کرنا جو ڈکیتی کے ذریعہ اجتماعی خوف وہراس پیدا کرے، اور معاشرہ کے امن کو ختم کرتے ہوئے فساد پھیلائے، مذکورہ آیت میں ''باغی گروہ سے قتال'' کا تذکرہ ہے، ''قتال اہل البغی''، یعنی باغی گروہ اور جماعت کے ساتھ جنگ کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں مذکور

ہیں، فقہاء نے اس جماعت کو بھی باغی قرار دیا ہے جو اسلامی مرکز کے خلاف اپنی بغاوت اعلان کرے، یا امام وخلیفہ کی اطاعت سے انحراف اختیار کرتے ہوئے اس کے خلاف برسرپیکار ہوجائے، ایسی باغی جماعت کے ساتھ جنگ وقتال کی تفصیلات کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہیں،

اس کے بعد تیسری بات اس آیت میں یہ فرمائی گئی ہے: ''إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ'' اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے، قرآن مجید نے مختلف مقامات پر اللہ کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ افراد کی فہرست بیان کی ہے، بعض ایسے افراد کا تذکرہ کیا ہے جن کو خالق کائنات پسند فرماتا ہے، اور بعض وہ لوگ ہیں جو اللہ کے مبغوض وناپسندیدہ ہیں، اس کا تعلق کسی جنس ونسل سے نہیں بلکہ انسانی صفات، وکردار اور اخلاق سے ہے، اللہ نے جن بندوں کو ناپسند کیا ہے، دراصل اللہ کے نزدیک ان کی صفات وکردار مبغوض وناپسندیدہ ہے، جن سے اللہ محبت فرماتا ہے دراصل ان کا کردار اور ان کی صفات اللہ کے نزدیک سبب محبوبیت ہیں، محبت خداوندی ایک عظیم ترین نعمت ہے، قرآن مجید میں بہت سی صفات کے لئے یہ لفظ وارد ہوا کہ اللہ اس صفت کو پسند فرماتا ہے، مثلاً'' واللہ یحب المحسنین ''اللہ اہل احسان کو پسند فرماتا ہے، قرآن مجید میں ایسی مختلف صفات مذکور ہیں، '' احسان'' ''تقوی وخدا ترسی'' ''عدل وانصاف'' ''توبہ'' ''پاکیزگی وطہارت'' ''توکل واعتماد'' ''صبر واستقامت'' اور'' میدان جہاد میں ثبات قدمی واتحاد'' ان صفات کے حاملین کے بارے میں قرآن میں کہا گیا کہ وہ اللہ کو محبوب ہیں،

منصف مزاجی اور عدل پروری ایسی صفت ہے جو اللہ کو پسند ہے، ایسے افراد سے اللہ رب العزت محبت فرماتا ہے، قرآن مجید میں تین مقامات پر ایسے لوگوں سے اللہ کی محبت کا تذکرہ کیا گیا ہے تینوں آیات میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ'' عدل پرور منصف مزاج'' لوگوں سے محبت فرماتا ہے، ارشاد خداوندی ہے ''فَإِن جَآؤُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُم أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِن تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَن يَضُرُّوكَ شَيْئاً وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ '' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''پس اگر وہ لوگ تمہارے پاس آئیں تو آپ ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں

یا انہیں ٹال دیں، اگر آپ انہیں ٹال دیں گے تو وہ آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے، اگر آپ فیصلہ فرمائیں تو ان کے درمیان قانون عدل کے مطابق فیصلہ کریں، بے شک اللہ انصاف پروروں سے محبت فرماتا ہے“

قرآن مجید کی یہ آیت ان اہل کتاب یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی تھی جو اپنے مقدمات آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لاتے تھے، اور آپ ﷺ سے فیصلہ کرانا چاہتے تھے، یہاں یہ تو حق دیا گیا کہ ان کے مقدمات میں فیصلہ کریں یا نہ کریں اس کا اختیار ہے، لیکن اگر فیصلہ ہوگا تو قانون عدل کے مطابق ہوگا، اور ظاہر ہے کہ قانون عدل اسلام کا نظام وقانون ہی ہے، بہر حال غیر مسلموں کے ساتھ بھی عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ظلم بہر حال ظلم ہے، اسلام دیگر مذاہب کی طرح جوروستم کا قائل نہیں ہے، اس میں مذہبی اختلاف وتفریق کی وجہ سے اپنے وپرائے میں فرق نہیں کیا جاتا،،

سورہ حجرات کی اس آیت میں اصلاح باہم کا حکم دینے اور اسلامی اخوت ومحبت کو زندہ رکھنے کی تذکیر کے بعد اللہ تعالی کا ارشاد ہے: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْن ”بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے“ اس آیت میں اہل ایمان کے دو متحارب گروپ اور ان کے اختلافات کو عدل وانصاف کے ساتھ فیصل کرنے کا واضح حکم دیا جارہا ہے، یہاں اپنے موافق گروپ، اپنی جماعت، اپنے نقطہ نظر کی ترجمانی کرنے والے افراد کی حمایت کی کوئی گنجائش نہیں، انسان دراصل ایسے مواقع پر عدل کی میزان سے انحراف کر بیٹھتا ہے، ایسے نازک اور حساس مقام پر انصاف کا دامن نہ چھوڑنے والوں اور ترازو کی میزان کی طرح درست قائم رہنے والوں کو اللہ تعالی پسند فرماتا ہے، ان ہی منصف مزاج اور عدل پرور لوگوں کے لئے آنحضرت ﷺ نے بشارت سنائی ہے، ”المقسطون على منابر من نور يوم القيامة الذين يعدلون في حكمهم وأهليهم وما ولوا“ انصاف کرنے والے روز قیامت نور کے منبروں پر ہوں گے، جو اپنے فیصلوں، ذمہ داریوں اور گھر والوں میں انصاف کرتے تھے،

قران مجید کی ایک اور آیت میں اللہ تعالی نے اہل انصاف سے محبت کا تذکرہ فرمایا ہے؛ سورہ ممتحنہ میں ارشاد ہے: ''لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ'' اللہ تمھیں ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تمھیں تمہارے گھروں سے بے گھر نہیں کیا، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے''

بہر حال ان تین آیات میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے کہ منصف مزاج وعدل پرور اللہ کو محبوب ہیں، اور کیوں نہ ہوں، اخلاق انسانی میں اس صفت کی بڑی جلوہ سامانیاں ہیں، انسان کو ہر حالت میں انصاف سے کام لینا چاہئے، اپنے نفس اپنی ذات کے ساتھ انصاف کرنا چاہئے، متعلقین واحباب کے ساتھ، تمام انسانوں کے ساتھ بلکہ حیوان کے ساتھ بھی انصاف کرنا چاہئے،

یہاں عدل وانصاف کے لئے ''قسط'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، قرآن مجید میں اس لفظ اور اس کے مشتقات کا استعمال مختلف صیغوں کے ساتھ تقریبا ستائیس مقامات پر ہوا ہے، کہیں انصاف کا حکم دیا گیا ہے، کہیں منصف مزاج عدل پروروں کی تعریف کی گئی ہے، عجیب بات ہے کہ یہ لفظ عربی زبان کے ان الفاظ میں ہے جو متضاد استعمال ہوتے ہیں، جہاں اس کے معنی عدل وانصاف کے آتے ہیں وہیں اس کے معنی ظلم وناانصافی کے بھی ہیں، اور ظلم وجور کے معنی میں قرآن مجید کی سورہ جن میں دو جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے، جیسے ''وأما القاسطون فكانوا لجهنم حطبا'' ''ظلم وناانصافی کرنے والے جہنم کا ایندھن بنیں گے'' لیکن قرآن مجید کے اکثر مقامات پر یہ لفظ انصاف کے معنی میں استعمال ہوا ہے،

اس کے بعد اخیر میں تقوی وخداترسی کے حکم اور تقوی کے فائدہ پر اس مضمون کا اختتام ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اوپر مذکور تمام ہدایات پر عمل، عدل وانصاف کا قیام، اخوت کا فروغ بغیر تقوی وخداترسی کے ممکن نہیں، اس آیت کے اخیر میں ''وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ'' کا جملہ بہت

لطیف اشارہ کرتا ہے کہ معاشرہ میں عدل وانصاف کے قیام، اجتماعی مصالح کی ترجیح، اجتماعیت ووحدت کی بقاء، اوراتحاد کی جدوجہد ''تقوی شعاری'' میں داخل ہے، اور یہ اللہ کے رحمت وبرکت کے نزول کا خاص سبب ہے،

(۵) اخوت ایمانی کا استحکام اور رذائل اخلاق سے پاک معاشرہ کی تعمیر

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِّن قَوْمٍ عَسَى أَن يَكُونُوا خَيْراً مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَى أَن يَكُنَّ خَيْراً مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (11) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ’’اے ایمان والو! کوئی جماعت دوسری جماعت کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور آپس میں طعن و تشنیع، عیب چینی نہ کرو، اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو، ایمان کے بعد فسق و نافرمانی کا تو نام بھی برا ہے، اور جو توبہ نہ کریں گے وہ ظالموں میں شمار ہوں گے، اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، حقیقت یہ ہے کہ بعض گمان صریح گناہ ہوتے ہیں، اور تم ٹوہ میں نہ لگو، اور نہ تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت کرے، کیا تم میں کوئی یہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، ظاہر ہے کہ تم اس کو برا سمجھتے ہو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے‘‘

یہ دونوں آیات دراصل سابق مضمون ’’إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَة ‘‘ کا تتمہ ہیں، ان دونوں آیات میں ان رذائل اخلاق کی ممانعت ذکر کی گئی ہے جو اخوت کے مزاج و آہنگ کے خلاف اور اس پر تیشہ چلانے والے ہیں، کسی بھی معاشرہ میں اگر مذکورہ بداخلاقیاں عام ہوں گی تو اس کے افراد میں باہم الفت ومحبت، اخوت ومودت باقی نہیں رہ سکتی، قرآن مجید نے یہاں ایسے بنیادی رذائل اخلاق سے باز رہنے کا حکم دیا ہے، تاکہ اخوت کی شفافیت اور محبت کا ماحول باقی رہے، نیز سابق آیت میں مخلص اہل ایمان کے بارے میں کہا گیا تھا کہ ’’وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ

وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ''یعنی اللہ نے تمہارے لئے عقیدہ کفر، فسق ونافرمانی کو مبغوض بنادیا ہے، اب یہاں ''فسق'' کی چند اخلاقی نوعیتوں کا بیان ہورہا ہے، جو دراصل کسوٹی اور معیار ہے ایمان کامل کا، اگر کسی کے اندر ایمان کے بعد اس قسم کی اخلاقی خرابیاں، اور فسق کی یہ باتیں پائی جاتی ہیں تو مطلب صاف ہے کہ ابھی ایمان کی حقیقت قلب وقالب میں نہیں اتری ہے، کسی مخلص مومن سے فسق کی یہ تمام شکلیں بعید ہیں، صاحب ایمان کے نزدیک تو فسق قابل نفرت ہوتا ہے، اس طرح گویا یہ مضمون سابقہ مضمون ہی کا تکملہ وتتمہ معلوم ہوتا ہے۔

سب سے پہلا حکم ان آیات میں یہ دیا گیا ہے ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِّن قَوْمٍ عَسَى أَن يَكُونُوا خَيْراً مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَى أَن يَكُنَّ خَيْراً مِّنْهُنَّ'' فرمایا گیا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں کوئی فرد، جماعت، گروہ مرد ہوں یا عورت ہرگز کسی کا استہزاء، تمسخر اور مذاق نہ اڑائیں، کسی کی تحقیر وتذلیل نہ کریں، قرآن وسنت میں رنگ، نسل، حسب ونسب، مال ومتاع، حسن وجمال، اور شکل وصورت کی بنیاد پر کسی کی تحقیر وتمسخر کی ممانعت صاف صاف وارد ہوئی ہے، یہ بداخلاقی تو ہے ہی، بڑے درجہ کا گناہ کبیرہ بھی ہے، یہ مرض جہاں غضب الٰہی کا موجب ہے، وہیں معاشرہ کے افراد میں محبت والفت کا خاتمہ کردیتا ہے، آپس کی نفرت وبغض کے جراثیم پیدا کرتا ہے، اس مہلک مرض سے اس آیت میں اہل ایمان کو متنبہ کیا گیا ہے،

ایک انسان دوسرے انسان کی تذلیل کرتا ہے، مذاق اڑاتا ہے، استہزاء وتمسخر کرتا ہے، تو یہ دراصل اپنے متکبرانہ مزاج اور خبث باطن کی دلیل ہے، دوسروں کا تمسخر انسان ''ہمچو من دیگرے نیست'' کی نفسیات ہی کی وجہ سے کرتا ہے، اسلام اپنے ماننے والوں کے قلب ونظر، اور فکر وعمل کو ایسے حقیر ترین اخلاقی رذائل پاک کرتا ہے، اخوت باہم، اور احترام انسانیت کے مزاج پر معاشرہ کی تعمیر کرتا ہے، جہاں رنگ ونسل، شکل وصورت، اور حسب ونسب کی بنیاد پر اچھے اور برے، حقیر وعزیز کا فیصلہ نہیں ہوتا، بلکہ تقوی واخلاق کی کسوٹی ومیزان پر جو کھرا اترتا ہے، وہی بہتر ہوتا ہے، حدیث نبوی میں اسی مزاج کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: ''المسلم اخو المسلم،

لا يظلمه، ولا يخذله، ولا يكذبه، ولا يحقره، التقوى ها هنا، ويشير الى صدره ثلاث مرات، بحسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم ''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، بھائی اپنے بھائی پر نہ ظلم کرتا ہے، نہ بے یار و مددگار چھوڑتا ہے، نہ جھوٹ بولتا ہے، نہ اس کی تحقیر کرتا ہے، تقوی تو یہاں ہے، یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنے سینہ مبارک کی طرف تین دفعہ اشارہ فرمایا، انسان کے برا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر وکمتر سمجھے'' (رواہ مسلم)

اسلام اس مزاج کی تخم ریزی معاشرہ میں کرتا ہے، آپس میں مذاق اڑانا اور استہزاء اس مزاج کے فروغ کے لئے قاتل ہے، اسی لئے مذکورہ آیت میں سب سے پہلے کسی کو حقیر سمجھنے، تذلیل کرنے یا استہزاء وتمسخر سے منع کر دیا گیا، سچی بات یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے کا استہزاء اسی وقت کرتا ہے جب وہ اپنے تکبر وغرور میں اپنے کو برتر اور دوسرے حقیر وکمتر سمجھتا ہو، اسی لئے حدیث نبوی میں ''کبر'' کی یہ تعریف وارد ہوئی ہے، ''الكبر بطر الحق وغمط الناس '' حق کا انکار اور لوگوں کی تحقیر کا جذبہ دراصل تکبر کہلاتا ہے، ایک مومن کو نہ کبر وغرور زیب دیتا ہے، نہ دوسروں کی تحقیر واستہزاء اس کے لئے مناسب ہے، اس آیت کا پہلا سبق یہی ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں: ''شیطان نے بنی آدم کو گمراہ کرنے کے جو فتنے ایجاد کئے ہیں، ان میں ایک بہت بڑا فتنہ نسل ونسب، خاندان، برادری، کنبہ وقبیلہ کے شرف وامتیاز کا فتنہ بھی ہے، جو لوگ اس فتنہ میں مبتلا ہوتے ہیں- اور بہت کم ایسے خوش قسمت نکلتے ہیں، جو اپنے کو اس فتنہ سے محفوظ رکھ سکیں- ظاہر ہے کہ وہ دوسروں کو اپنے مقابل میں حقیر خیال کرتے ہیں، اور جب حقیر خیال کرتے ہیں تو لازما ان کے قول، فعل اور رویہ سے اس کا اظہار بھی ہوتا ہے، یہاں تک کہ یہ چیزیں پختہ ہو کر ان کے یہاں روایت کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں، بلکہ ان کا بس چلتا ہے تو وہ ان کو مذہب کا درجہ بھی دے دیتے ہیں، چنانچہ ہندوؤں میں برہمنوں نے، یہود میں بنی لاوی نے اور عربوں میں قریش نے اسی طرح کے تقدس کا ایک ایسا مقام اپنے لئے پیدا

کرلیا جس کو چیلنج کرنا دوسروں کے لئے ممکن نہیں رہ گیا، یہی حال ہر قوم کا ہوا ہے، اور مساوات انسانی کے بلند بانگ دعووں کے باوجود آج بھی یہی ہے، یہاں تک کہ مسلمان جو اس فتنہ کی بیخ کنی کے لئے برپا کئے گئے تھے وہ بھی آج نہ جانے کتنی برادریوں، قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہیں، اور ہر ایک ''ہمچو من دیگرے نیست'' کے نشہ سے سرشار ہے، جس کا اظہار ہر قوم وقبیلہ کے عوام وخواص کے بیانات اور نعروں سے ہوتا رہتا ہے، جس سے فطری طور پر دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت وکدورت پیدا ہوتی ہے جو عداوت وبغضاء کی شکل اختیار کر کے بالآخر خون خرابے اور تفریق وتقسیم تک نوبت پہنچادیتی ہے، یہاں قرآن مسلمانوں کو اسی آفت سے محفوظ رہنے کی ہدایت فرمائی کہ تم کو اللہ نے اپنے فضل سے جاہلیت کی تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی بخشی ہے، تمہارا معاشرہ ''انما المؤمنون اخوۃ'' کی اساس پر قائم ہے، اور تم آپس میں ایک دوسرے کے لئے ''رحماء بینھم'' بنائے گئے ہو، تو اپنے بھائیوں کو حقیر سمجھ کر یا ان کو اپنے طنز یہ اور حقارت آمیز الفاظ کا ہدف بنا کر اس معاشرہ کا حلیہ مسخ کرنے کی کوشش نہ کرو' (تدبر قرآن ۷/۵۰۶)

''عَسَى أَن يَكُونُوا خَيْراً مِّنْهُمْ'' اس جملہ سے طنز وتحقیر اور استہزاء وتمسخر کے اسی مزاج کی بیخ کنی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، کہ کوئی کسی کا مذاق واستہزاء نہ کرے، ہوسکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہوں، انسان کی نظر جب اس پر ہوگی کہ آج کی دنیا میں عزت وشرف، اور برتری کے انسانی فرسودہ معیار جیسا تصور رکھتے ہیں، فی الواقع حقیقت کی میزان میں اور خدا کے یہاں ان کا کوئی وزن نہیں، تو کسی کو اپنے سے حقیر وکمتر سمجھنے کی غلطی میں مبتلا نہیں ہوگا،

سید قطب شہیدؒ نے بڑا لطیف اشارہ کیا ہے: ''فيها ايحاء خفى بأن القيم الظاهرة التى يراها الرجال فى أنفسهم، ويراها النساء فى أنفسهن، ليست هى القيم الحقيقية، التى يوزن بها الناس، فهناك قيم أخرى قد تكون خافية عليهم يعلمها الله ويزن بها العباد، قد يسخر الرجل الغنى من الرجل الفقير، والرجل القوى من الرجل الضعيف، والرجل السوى من الرجل المؤوف،

وقد يسخر الذكى الماهرمن الساذج الخام، وقد يسخر ذوالأولاد من العقيم، وذوالعصبية من اليتيم، وقد تسخر الجميلة من القبيحة، والشابة من العجوز، والمعتدلة من المشوهة، والغنية من الفقيرة، ولكن هذه وأمثالها من قيم الأرض،ليست هى المقياس، فميزان الله يرفع ويخفض بغير هذه الموازين '' (فی ظلال القرآن) آیت کے اس جملہ میں ایک پوشیدہ پیغام اور دقیق اشارہ یہ ہے کہ وہ تمام ظاہری معیار اور پیمانے جن کو دنیا میں مرد ہوں یا عورتیں اپنے اپنے خیال وتصور سے قائم کر لیتے ہیں، وہ انسانوں کو ناپنے کے حقیقی پیمانے ومعیار نہیں ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اور دوسرے ایسے معیار ہیں جو انسانوں کی نظر سے مخفی ہیں، وہ اللہ کے علم میں ہیں، اور دراصل وہی انسانی تفاضل وبرتری کا صحیح معیار ہیں، دنیا میں تو ہوسکتا ہے کہ کوئی مالدار کسی فقیر کا، طاقتور کمزور کا، صحیح بیمار واپاہج کا، چالاک وذہین سیدھے سادھے انسان کا، صاحب اولاد بے اولاد کا، کوئی صاحب گروہ وعصبیت کسی یتیم کا مذاق اڑاتا ہو، اپنے معیار سے دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھتا ہو، ویسے ہی ہوسکتا ہے دنیا میں کوئی خوبصورت عورت بدصورت کا، جوان بوڑھی کا، مالدار عورت غریب عورت کا مذاق اڑائے اس سے استہزاء کرے، مگر یاد رہے کہ برتر وحقیر سمجھنے کے یہ زمینی پیمانے حقیقی میزان نہیں ہیں، جس سے انسانوں کا فیصلہ کیا جائے، اللہ کی میزان کچھ اور ہے، عزت وبرتری، ذلت وحقارت کی اصل میزان وہ ہے''

کسی دوسرے انسان کا استہزاء کسی بھی بنیاد پر کیا جائے، شرعا تو حرام اور گناہ ہے ہی، اندیشہ ہے کہ دنیا میں بھی مذاق اڑانے والا کہیں مبتلا نہ ہوجائے، بلکہ سلف صالحین سے منقول ہے کہ اگر مذاق اڑانے اور استہزاء کرنے والا خود اسی طرح کی صورتحال میں مرنے سے پہلے مبتلا ہوتا ہے جس بنیاد پر مذاق اڑایا تھا، علامہ قرطبیؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ذکر کیا ہے: '' البلاء موكل بالقول،لوسخرت من كلب لخشيت أن أحول كلبا '' زبان سے نکلی بات کی بنیاد پر آزمائش ہوتی ہے، اگر میں کسی کتے کا مذاق اڑاؤں تو ڈر ہے کہ اس کی شکل میں

تبدیل کر دیا جائے" صاحب فیض القدیر نے حسن بصریؒ کا قول ذکر کیا ہے:" كانوا يقولون: من رمى أخاه بذنب قد تاب منه لم يمت حتى يبتليه الله به "فرماتے ہیں کہ سلف (صحابہ کرام) کہتے تھے: جس نے اپنے بھائی کو کسی ایسے گناہ پر متہم کیا جس سے وہ توبہ کر چکا تھا، مرنے سے پہلے اللہ اس کو اسی گناہ میں مبتلا فرمائے گا" (فیض القدیر ۶/۱۸۳)

اسی سیاق میں ابن الجوزیؒ نے "صید الخاطر" میں لکھا ہے:" قال ابن سيرين رحمه الله: عيرت رجلا، وقلت يامفلس، فأفلست بعد أربعين سنة "ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو "مفلس" کہکر عار دلائی تھی، چالیس سال کے بعد میں خود مفلسی کا شکار ہو گیا (صید الخاطر ۴۴)

دوسری بات اس آیت میں یہ فرمائی گئی ہے" وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ "فرمایا گیا تم آپس میں طعن و تشنیع نہ کرو، "لمز" دراصل کسی فعل کے ذریعہ طنز یا آنکھوں سے اشارے کرنے کے معنی میں آتا ہے، قرآن مجید نے یہ حکم دیا ہے کہ اہل ایمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے معاشرہ میں کسی قول یا فعل کے ذریعہ اپنے کسی بھائی پر طعن و تشنیع کریں، یا اذیت پہنچائیں، قرآن مجید میں یہ دو لفظ "همز اور لمز "مختلف مقامات پر وارد ہوئے ہیں، مثلاً اللہ کا رشاد ہے:" ويل لكل همزة لمزة "امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:" الهماز بالقول، واللماز بالفعل، يعني يزدري الناس وينتقص بهم "یعنی "ہماز" قول کے ذریعہ اور "لماز" فعل کے ذریعہ طعن و تشنیع، عیب جوئی اور لوگوں کی تنقیص کرنے کو کہتے ہیں، لفظ "لمز" قرآن مجید میں چار مقامات پر استعمال ہوا ہے، سورہ توبہ میں منافقین کے طنز و استہزاء پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:" وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ "ان میں وہ بھی ہیں جو صدقات کے معاملہ میں آپ پر لعن طعن کرتے ہیں" اسی سورہ میں آگے ایک جگہ فرمایا:" الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ "یہ اہل ایمان کو صدقات و خیرات کے معاملہ میں طعنے دیتے ہیں، اور عیب جوئی کرتے ہیں، اور جو اپنے محنت و مشقت سے کماتے ہیں ان میں سے

صدقہ دیتے ہیں، یہ منافقین ان کا مذاق اڑاتے ہیں" بقول مولانا امین اصلاحی مرحوم: "جب غریب مسلمان اپنی گاڑھی کمائی میں سے اللہ کے راستہ میں کچھ خرچ کرتے ہیں، تو منافقین ان کی حوصلہ شکنی کے لئے ان پر باندازِ استخفاف طنزیہ فقرے چست کرتے ہیں" بہرحال قول سے فعل سے اشارہ سے کسی بھی طریقہ سے دوسروں کی اہانت، وتذلیل، استہزاء وطعن کرنا اہل ایمان کا شیوہ نہیں، بلکہ یہ منافقین کی عادت تھی، اسلام اپنے متبعین کے معاشرہ کو ان زہر آلود جراثیم سے پاک رکھنا چاہتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے: "وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَاب" "ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو، دراصل آپس میں ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارنا، نامناسب نام لینا، خود معاشرہ کی وحدت کو ختم کرتا ہے اور محبت باہم کے بجائے آپس کی نفرت ودل کی کدورت کو پیدا کرتا ہے، جب تک معاشرہ کے افراد میں ایک دوسرے سے تخاطب میں ادب، محبت، بہترین طرز تخاطب نہ ہو آپس میں محبت الفت، اور ہمدردی نہیں ہوگی، بعض مفسرین نے اشارہ کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت کی شاعری اور اس دور کے ذوق ومزاج کو دیکھئے تو اندازہ ہوگا کہ اپنے اور اپنے خاندان وقبیلہ کے مفاخر بیان کرنے اور اپنے حریف کی مذمت وہجو بیان کرنے کا کتنا نامناسب اور گھٹیا مزاج تھا، اسلام نے اس مزاج اور اس سوچ وتصور سے معاشرہ کو پاک کیا، بقول مولانا اصلاحی مرحوم: "تاریخ میں پہلی مرتبہ اسلام نے ان کو انسانی وحدت اور ایمانی ہم آہنگی سے آشنا کیا، جس کی بدولت وہ دنیا کی ہدایت وقیادت کے اہل بنے، قرآن نے ان کو دور جاہلیت کے انہی فتنوں سے آگاہ کیا ہے، کہ اللہ نے تمہیں ایمان واسلام کی برکات سے نوازا ہے، تو اس کی قدر کرو، شیطان کے ورغلانے سے پھر انہی لاف زنیوں، اور خاک بازیوں میں مبتلا نہ ہوجانا، جن سے اللہ نے تمہیں بچایا ہے" (تدبر قرآن ۷/۵۰۸)

اس کے بعد فرمایا گیا: "بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ" "ایمان کے بعد فسق کا تو نام بھی برا ہے، عربی زبان میں "فسق" کے معنی ہیں: "خروج عن الشئی" یعنی کسی امر سے

نکل جانا اور انحراف اختیار کرنا، قرآن وسنت کے استعمال اور سیاق میں ''فسق'' کا مطلب ہوتا ہے: اللہ ورسول کے حکم سے انحراف اختیار کرنا، اسی معنی میں یہ لفظ سورہ کہف میں استعمال ہوا ہے؛ ''کان من الجن ففسق عن أمر ربه'' ابلیس جنات میں سے تھا، وہ اپنے رب کے حکم سے سرتابی کر گیا''، فسق کے معنی عام ہیں، قرآن مجید میں کفر وشرک سے لیکر متعدد گناہوں کو ''فسق'' سے تعبیر کیا گیا ہے، یہاں سورہ حجرات میں اس مفہوم اور سیاق میں استعمال ہوا ہے کہ ایمان کے بعد اہل ایمان اگر مذکورہ گناہ اختیار کرتے ہیں، تو بدترین چیز ہے، ان کے لئے زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ کو ناراض کرنے والے گناہ اختیار کریں، گناہ کرنا تو بہت دور کی بات اہل ایمان کے لئے تو ''فسق'' کا نام بھی برا ہے، کسی کی نسبت سے جب کسی چیز کی شناعت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے تو کبھی کبھی احساس دلانے کے لئے اس قسم کی تعبیرات استعمال کی جاتی ہیں، کہ'' فلاں کے لئے اس کا تذکرہ بھی برا ہے'' مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں؛'' اس کا ٹھیک معنی خیز ترجمہ یہ ہوگا ؛نہایت ہی برا لفظ ہے فسق ایمان کے بعد، یہ اسی طرح کی بات ہے جس طرح کہیں؛'' الشریر کاسمه '' شریر کا تو لفظ بھی برا ہے تو شریر کے برے ہونے کا کیا ٹھکانا ہے، ہماری زبان میں بھی کسی چیز کی انتہائی برائی بیان کرنے کے لئے یہ اسلوب موجود ہے، مثلا کہتے ہیں: بھائی، اس چیز کے تو نام سے بھی گھن آتی ہے'' (تدبر قرآن ۷/۵۰۸)

ایمان کے بعد فسق کا نام بھی برا ہے، اہل ایمان کے لئے فسق معمولی ہو یا بڑا بالکل زیب نہیں دیتا، اس بات کی معنویت اس سیاق میں مزید بڑھ جاتی ہے کہ ابھی اوپر کی آیت میں اہل ایمان پر اللہ کے فضل وانعام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا تھا:'' وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ '' جب خدا تعالی نے اپنے خاص فضل سے اہل ایمان کو ایمان وطاعت کا لذت آشنا بنایا ہے، اور کفر ومعصیت کو مبغوض ومکروہ بنایا ہے، اس تقاضہ تھا کہ اہل ایمان کو واقعی ''فسق'' کی ہر نوعیت اور ہر قسم سے گھن آئے، انہیں معصیت وگناہ سے نفرت محسوس ہو، اسی کا احساس دلانے کے لئے یہاں یہ تعبیر استعمال کی گئی

ہے ''بِئسَ الِاسُمُ الفُسُوقُ بَعدَ الِاِیُمَان'' (ایمان کے بعد تو فسق کا نام بھی برا ہے)

اس کے بعد معاشرہ میں اخوت ومحبت کے استحکام کو فروغ دینے اور معاشرہ کے افراد کو رذائل اخلاق، فسق ومعصیت کی دیگر قسموں سے پاک رکھنے کے لئے مزید حکم دیا گیا: ''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا کَثِیراً مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْم، وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا یَغْتَب بَّعْضُکُم بَعْضاً اَیُحِبُّ اَحَدُکُم اَن یَّأْکُلَ لَحمَ اَخِیْهِ مَیْتاً فَکَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ

اس آیت میں مزید تین باتوں سے اہل ایمان کو روکا گیا ہے، گمان، تجسس، اور غیبت، یہ تینوں اخلاقی بیماریاں بھی معاشرہ کی وحدت واخوت کو ختم کرکے نفرت وبغض کو جنم دینے والی ہیں، نیز خود ان بیماریوں کے نفسیاتی واخلاقی اثرات کسی بھی معاشرہ کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہیں، مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے؛

''یہ اہل ایمان کو از سر نو خطاب کرکے بعض ایسی باتوں سے روکا گیا ہے، جو بہ ظاہر تو معمولی نظر آتی ہیں، لیکن یہ انسان کے خود اپنے دل کو ایسے روگ میں مبتلا کر دیتی ہیں کہ وہ'' تقوی'' کی روئیدگی کے لئے بالکل ناساز ہو جاتا ہے، اس وجہ سے جن کو ایمان عزیز ہو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان آفتوں سے اپنے کو محفوظ رکھیں'' (تدبر قرآن ۵۰۹/۷)

پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے، اے ایمان والو! بدگمانی سے بچو، اپنے دلوں کو گمان کے روگ سے پاک رکھو، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی کے بارے میں قائم کیا ہوا گمان گناہ ہوتا ہے، اس معاملہ میں اصولی بات یہ ہے کہ ہر شخص کو اسلامی معاشرہ میں اپنے بھائی سے ہمیشہ خوش گمان رہنا چاہیئے، ہمیشہ اچھا نظریہ اور نیک گمان رکھنا چاہیئے، یہاں تک کے کسی کے بارے علانیہ طور پر مدلل کچھ معلوم ہو جائے، تو الگ بات ہے، بدگمانی ایک گناہ بھی ہے اور نفسیاتی واخلاقی بیماری بھی ہے، جس طرح حسن ظن ایک حسن عمل بھی ہے اور مکارم اخلاق کا ایک اہم شعبہ بھی ہے، قرآن وحدیث میں اسی لئے بدگمانی سے روکا گیا ہے،

قرآن مجید میں لفظ ''ظن'' اور اس کے مشتقات مختلف مقامات پر تقریبا ۹۶ جگہ استعمال ہوئے ہیں، عموما یہ لفظ قرآن مجید میں تین معانی میں استعمال ہوا ہے،

۱- شک اور گمان وتخمین: سورہ جاثیہ میں ارشاد ہے: ''وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُم مَّا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ إِن نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ'' جب کہا جاتا ہے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، قیامت کے دن میں کوئی شک نہیں، تب تم کہتے ہو ہمیں نہیں معلوم قیامت کیا چیز ہے؟ ہم تو اس بارے میں شک کرتے ہیں، اور ہمیں بالکل یقین نہیں''

۲- یقین: اسی طرح یہ لفظ قرآن مجید میں یقین کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے، سورہ بقرہ میں ارشاد خداوندی ہے: ''الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُون'' جو لوگ خدا سے ملاقات کا یقین رکھتے ہیں، اور یہ جانتے ہیں کہ وہ اللہ کی جانب واپس آنے والے ہیں،

۳- تہمت وبدگمانی: اللہ رب العالمین کے ساتھ بندوں کی بدگمانی کے سیاق میں سورہ آل عمران میں ارشاد ہے: ''وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّة'' اور ایسے بھی کچھ لوگ تھے جو اپنی جانوں کی فکر میں پریشان تھے، وہ اللہ کے بارے میں ناحق جاہلیت کے گمان وخیالات اپنے دل میں لا رہے تھے، لوگوں کے دلوں میں موجود شکوک وشبہات، یا غیر محقق باتوں کے پیچھے پڑنے کو بھی قرآن نے ''ظن'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، ارشاد ربانی ہے: ''إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئاً''

بہر حال قرآن مجید وسنت نبوی میں بدگمانی سے جا بجا منع کیا گیا ہے، بدگمانی اگر اللہ کی ساتھ ہوتی ہے تو اکثر زیغ وضلال اور کفر وشرک تک انسان کو پہنچا دیتی ہے، اگر باہم انسانوں میں بدگمانی ہو جائے تو قطع تعلق، نفرت وبغض، کینہ وحسد بلکہ جنگ وجدال تک پہنچا دیتی ہے، امام ابن قیمؒ نے شہرہ آفاق کتاب ''اغاثۃ اللہفان'' میں فرماتے ہیں: ''الشرك والتعطيل مبنيان على سوء الظن بالله تعالى، لأن الشرك هضم لحق الربوبية، وتنقيص لعظمة

الالھیة،وسوء ظن برب العالمین،ولھذا قال ابراھیم امام الحنفاء لخصمائه:

"أَئِفْكاً آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ فَمَا ظَنُّكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ" **(اغاثۃ اللھفان ۱/۶۰) اللہ کی** ذات کی ساتھ شرک، اوراس کی صفات کی تعطیل اللہ کے ساتھ بدگمانی پر مبنی ہیں، اس لئے کہ شرک دراصل ربوبیت کی حق تلفی اور شان الوہیت باری کی تنقیص ہے، رب العالمین کے ساتھ بدگمانی ہے، اسی لئے امام الموحدین ابوالأنبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مخالف مشرکین کے سامنے یہ فرمایا تھا: کیا اللہ کے علاوہ تم ان گڑھے ہوئے معبودوں کو چاہتے ہو، رب العالمین کے بارے میں تم کیا گمان رکھتے ہو"

تاریخ انسانی اس کی شاہد ہے کہ خالق کے بارے میں غلط تراشیدہ تصورات، بدگمانیاں، اورظن وتخمین پر مبنی خیالات ہی تھے جنہوں نے انسانی قافلوں کو جادہ توحید سے بھٹکایا ہے، اوراللہ سبحانہ وتعالی کے ساتھ غلط گمان، اس کی ذات وصفات کا ناقص ادراک، اور اللہ کے بارے میں انسانی ظن وتخمین پر مبنی غلط نظریات ہی ہیں جو انسان کو ہلاکت ونامرادی تک پہنچاتے ہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وَلَكِن ظَنَنتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيراً مِّمَّا تَعْمَلُونَ، وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ" لیکن تم نے یہ گمان کررکھا تھا کہ اللہ تمہارے بہت سے اعمال کو نہیں جانتا، یہی وہ گمان اور غلط تصور ہے جو تم نے اپنے رب کے ساتھ رکھا، اسی نے تمہیں ہلاک کیا ہے، اور تم ناکام ونامراد ٹھہرے"

سورہ حجرات کی اس آیت میں "ظن" معاشرہ میں باہم ایک دوسرے سے بدظنی وبدگمانی نہ کرنے کے معنی میں ہے، ہدایت دی گئی کہ اہل ایمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے بھائیوں کے بارے بدگمانی، غلط نظریات، غلط سوچ وتصورات رکھتے ہوں، بدگمانی گناہ کبیرہ ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں انسانی شفاف تعلقات کے لئے قاتل ہے؛ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے لکھا ہے:

"انسان کو جن سے زندگی میں واسطہ پڑتا ہے، ان کی بابت کوئی اچھا یا برا گمان دل میں

پیدا ہونا ایک امر طبعی ہے، یہی گمان آدمی کو آدمی سے جوڑتا یا توڑتا ہے، اس پہلو سے معاشرہ میں یہ وصل وفصل کی بنیاد ہے، اس کی اس اہمیت کا تقاضہ ہے کہ آدمی اس کے ردوقبول کے معاملہ میں بھی بے پرواو سہل انگار نہ ہو، بلکہ نہایت ہوشیار و بیدار مغز رہے'' (تدبر قرآن ۵۰۹/۷)

کسی شخص کے ساتھ بدگمانی اور کوئی غلط نظریہ قائم کر کے انسان بدترین گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، بدگمانی کی وجہ سے اپنے بھائی کی تحقیر وتذلیل، یا حق تلفی کرتا ہے، امام غزالیؒ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''احیاء العلوم'' میں بدگمانی کو ''شیطان کا مدخل'' قرار دیا ہے، جس دروازہ سے داخل ہو کر شیطان انسان کی دنیا وآخرت دونوں تباہ کرتا ہے، فرماتے ہیں: ''من عظیم حیل الشیطان سوء الظن بالمسلمین، قال اللہ تعالی: "یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا کَثِیْراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْم" فمن یحکم بشر علی غیرہ بالظن بعثه الشیطان علی أن یطول فیه اللسان بالغیبة، فیهلك أو یقصر فی القیام بحقوقه، أو یتوانی فی اکرامه، وینظر الیه بعین الاحتقار، ویری نفسه خیرا منه، کل ذالك من المهلکات' ' (احیاء العلوم ۳۶/۳) شیطان کے حیلوں میں سے ایک بہت نمایاں حیلہ مسلمانوں کے ساتھ بدظنی پھیلانا بھی ہے، اللہ تعالی نے اس سے منع فرمایا ہے، ارشاد ربانی ہے، اے ایمان والو! بہت سے گمان قائم کرنے سے بچو، بعض گمان صریح گناہ ہوتے ہیں، لہذا جو شخص اپنے علاوہ کسی کے لئے بدگمانی کی وجہ سے بری رائے قائم کر لیتا ہے، شیطان اس کو ابھارتا ہے کہ اب اس کی غیبت کر کے اس کی آبرو پر زبان دراز کرے، اور ہلاکت میں پڑے، یا کم ازکم اس کی حق تلفی کرے، اس کی عزت وتوقیر میں سستی وکاہلی اختیار کرے، یا اس کو حقیر وکمتر اور اپنے آپ کو اس سے بہتر وبرتر سمجھے، یہ سب باتیں ہلاک کرنے والی ہیں''

آگے مزید امام غزالی نے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ بدگمانی ایک نفسیاتی رذیل مرض ہے، باطن کے خبث کا غماز ہے، فرماتے ہیں: ''مهما رأیت انسانا یسیء الظن بالناس، طالبا للعیوب، فاعلم أنه خبیث الباطن، وأن ذلك خبثه یترشح منه

وانما رأى غيره من حيث هو ''جب بھی کسی انسان کو دیکھو کہ وہ لوگوں سے ساتھ بدگمانی میں مبتلا ہے، اور لوگوں کے عیوب کا متلاشی ہے، جان لو کہ وہ اپنے باطن واندرون میں بہت برا انسان ہے، یہ اس کے اندر کا خبث وبرائی ہے جو چھلک رہی ہے، اور وہ اسی برائی کے تناظر میں دوسروں کو دیکھ رہا ہے'' (احیاء العلوم)

علامہ زمخشری نے ''ربیع الأبرار'' میں نقل کیا ہے کہ کسی عارف سے پوچھا گیا: ''من أسوأ الناس حالا؟ قال: من لا يثق بأحد لسوء ظنه، ولا يثق به أحد لسوء فعله ''سب سے بدترین حالت کا انسان کون ہے؟ فرمایا: جو دوسروں سے بدگمانی کی وجہ سے کسی پر اعتماد نہ کرتا ہو، اور خود اس کی بدکرداری کی وجہ سے کوئی اس پر اعتماد نہ کرتا ہو''

پہلا حکم اس آیت میں یہ دیا گیا کہ اہل ایمان کو چاہیئے کہ وہ بدگمانی سے بچیں، اور اس مہلک نفسیاتی مرض سے دور رہیں،

اس کے بعد دوسرا حکم یہ ہے'' وَلَا تَجَسَّسُوا ''تم ٹوہ میں مت لگو، یہ حکم دراصل پہلے حکم بدگمانی کی ممانعت کا ہی تممہ ہے، جس طرح گمان اچھا اور برا دونوں نوعیت کا ہوتا ہے، ایک مومن کو اچھا گمان رکھنا چاہیئے اور برے گمان سے ہمیشہ بچنا چاہیئے، ویسے ہی تجسس یعنی ٹوہ میں لگنا اچھے مقاصد کے لئے بھی ہوسکتا ہے اور برے ومذموم مقاصد کے لئے بھی ہوتا ہے، آیت میں ممانعت اس بات کی ہے کہ مذموم مقاصد کے لئے کسی کی ٹوہ میں لگا جائے، کسی کی برائیاں تلاش کرنے اور بدنام کرنے کے لئے تجسس کیا جائے، مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

''یہاں ممانعت اس ٹوہ میں لگنے کی ہے جو برے مقصد سے ہو یعنی تلاش اس بات کی ہو کہ دوسرے کی پرائیوٹ زندگی سے متعلق کوئی بات ہاتھ آئے، جس سے اس کی خامیوں سے آگاہی اور اس کے اندرون خانہ کے اسرار تک رسائی ہو، یہ چیز کبھی تو حسد کے جذبہ سے پیدا ہوتی ہے کہ حریف کی زندگی کا کوئی ایسا پہلو سامنے جس سے کلیجہ ٹھنڈا ہو، کبھی بغض وعناد کی شدت اس کا باعث ہوتی ہے، کہ کوئی ایسی بات ہاتھ لگے جس کی عندالضرورت تشہیر کر کے مخالف کو رسوا کیا

جا سکے،.........اس طرح کا تجسس ظاہر ہے کہ اس اخوت اور باہمی ہمدردی کے بالکل منافی ہے جو اسلامی معاشرہ کی اساس ہے، اس وجہ سے اہل ایمان کو اس سے روکا گیا ہے، رہا وہ تجسس جو ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے حالات کا اس مقصد سے کرتا ہے کہ اس کی مشکلات وضروریات میں اس کا ہاتھ بٹا سکے، یا ایک اسلامی حکومت اس غرض سے کرتی ہے، کہ رعایا کے حالات سے پوری طرح باخبر رہے، تو یہ تجسس نہ یہاں زیر بحث ہے اور نہ یہ ممنوع ہے، بلکہ ہر شریف پڑوسی کے لئے نہایت نیکی کا کام ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کے حالات ومسائل سے آگاہ رہے، تاکہ ان کی مشکلات میں ان کی مدد کر سکے، اور حکومت کے لئے تو یہ نیکی ہی نہیں بلکہ فریضہ ہے کہ وہ رعایا کے اچھے اور برے دونوں طرح کے حالات سے پوری طرح باخبر رہنے کا اہتمام رکھے، تاکہ اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح عہدہ برآ ہو سکے" (تدبر قرآن ۷/۵۱۰)

دوسروں کے عیوب تلاش کرنے، اور کسی کو بدنام کرنے کی نیت سے تجسس کرنا، ٹوہ میں لگنا شرعاً ناجائز وحرام ہے، قرآن وسنت میں اس رذیل اخلاقی حرکت سے روکنے کی ممانعت متعدد مقامات پر وارد ہوئی ہے، سورہ حجرات کی اس آیت میں اسی نوعیت کے "تجسس" کی ممانعت ہے، امام ابن جریر طبریؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"ولا يتبع بعضكم عورة بعض، ولا يبحث عن سرائره، يبتغي بذلك الظهور على عيوبه "(جامع البیان) چاہئے کہ کوئی کسی کے عیوب کو تلاش کرنے کے درپہ نہ ہو، اور نہ کسی کے رازوں کے پیچھے نہ پڑے، تاکہ اس کے عیوب اور برائیوں پر مطلع ہو"

تقریباً مفسرین کا اتفاق ہے کہ آیت میں اسی نوعیت کے تجسس کو حرام وناجائز قرار دیا گیا ہے، امام بغویؒ فرماتے ہیں: "نهى الله تعالى عن البحث عن المستور من أمور الناس، وتتبع عوراتهم، حتى لا يظهر على ما ستره الله منها "(معالم التنزیل) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لوگوں کے چھپے معاملات کو تلاش کرنے، اور ان کے رازوں کے پیچھے پڑنے سے منع فرمایا ہے، تاکہ جس کو اللہ نے چھپایا اور مخفی رکھا ہے وہ لوگوں میں عیاں ہو کر کسی کی

بدنامی کا ذریعہ نہ بنے“ حضرت قتادہ اس لفظ کی تفسیر میں فرماتے تھے:”هل تدرون ما التجسس؟ أو التجسيس؟ هو أن تتبع أو تبتغی عيب أخيك لتطلع على سره “”تم لوگ جانتے ہو تجسس کیا چیز ہے؟ تجسس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کی کمزوری یا عیب تلاش کرنے کے لئے اس کے پیچھے لگ جاؤ، تاکہ اس کی کوئی کمزوری پکڑ سکو“ (طبری)

تجسس اور ٹوہ کا مزاج حسد و نفرت اور بغض کے جذبات سے پیدا ہوتا ہے، دوسروں کو نیچا دکھانے اور بدنام کرنے کا شوق انسان کو اس نفسیاتی و اخلاقی بگاڑ کی دلدل میں دھکیل دیتا ہے، اور پھر اس کے بڑے دوررس، منفی نتائج معاشرہ اور خود انسان کی شخصیت پر پڑتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ معاشرہ میں محبت باہمی کو باقی رکھنے کے لئے اس بداخلاقی سے بچنے کی تاکید قرآن وسنت میں بار بار وارد ہوئی ہے، قرآن کی اس تنبیہ کے علاوہ متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:”اياكم والظن، فان الظن أكذب الحديث، ولا تحسسوا، ولا تجسسوا، ولا تنافسوا، ولا تحاسدوا، ولا تباغضوا، ولا تدابرو، وكونوا عباد الله اخوانا“ (رواہ البخاری) اے لوگوں، کسی کے بارے میں گمان کرنے سے بچو، اس لئے کہ گمان زیادہ تر جھوٹ ہوتے ہیں، ٹوہ میں نہ لگو، تجسس کا مزاج نہ بناؤ، برے جذبات کے ساتھ کسی سے آگے بڑھ کر اس کو نیچا دکھانے کی کوشش نہ کرو، آپس میں بغض و نفرت نہ رکھو، ایک دوسری کی جڑ کاٹنے کی کوشش نہ کرو، اللہ کے بندو بھائی بھائی بن کر رہو،

سنن ابی داؤود، بیہقی وغیرہ میں حضرت ابو برزہ اسلمی سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:”يا معشر من آمن بلسانه، ولم يدخل الايمان قلبه، لاتغتابوا المسلمين، ولا تتبعوا عوراتهم، فانه من أتبع عوراتهم، يتبع الله عورته، ومن يتبع الله عوررته يفضحه فی بيته“

اے وہ لوگو! جو صرف زبان سے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے ہو، لیکن ابھی ایمان دل میں

نہیں اترا ہے، مسلمانوں کی غیبت نہ کرو، اور نہ ہی ان کی عزت وآبرو کے پیچھے پڑو، جو شخص ان کی عزت وآبرو کے درپہ ہوتا ہے، اللہ اس کی آبرو کے درپہ ہوجاتا ہے، اور جس کے درپہ اللہ ہوجائے اس کو اس کے گھر میں ذلیل ورسوا کردیتا ہے،

چوری چھپے لوگوں کی باتیں سننا، کان لگانا تاکہ کسی کے بارے میں کچھ معلوم ہوجائے، اور اس کو بدنام کرنے کا موقع ہاتھ آجائے، یا لوگ اپنی مجلس اور بات کو راز رکھنا چاہتے ہوں اور کوئی شخص تجسس کرتے ہوئے ان کی باتیں سننے اور مجلس میں شریک ہونے کی کوشش کرے، حدیث میں اس پر سخت وعید سنائی گئی ہے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من استمع الی حديث قوم وهم له كارهون أو يفرون منه، صب فی أذنه الآنك يوم القيامة'' جو شخص کچھ لوگوں کی بات سننے کی کوشش کرے، وہ لوگ اس کو اپنے ساتھ بیٹھنا ناپسند کررہے ہوں، یا اس سے فرار اختیار کررہے ہوں، ایسے شخص کے کان میں قیامت کے دن سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا،

اس حکم کے بعد ایک اور رذیلہ اخلاق، اور بری خصلت ''غیبت'' سے روکا گیا ہے، اس کی قباحت اور شناعت ذہن نشین کرنے کے لئے ایک ہولناک وخوفناک تشبیہ دی گئی، ارشاد خداوندی ہے: ''وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ'' اس آیت میں ایک طرف غیبت کی ممانعت کی گئی ہے، دوسری طرف اس گھنونے اخلاقی جرم کی تمثیل بیان کی گئی ہے، جو کسی شریف النفس اور سلیم الطبع انسان کے رونگٹے کھڑے کرنے کے لئے کافی ہے، غیبت کا مطلب ہے کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر فلاں شخص میں واقعتہ یہ برائی موجود ہے تو اس کے پیچھے ذکر یں، یا اس کے سامنے ذکر کریں، کیا فرق پڑتا ہے، ہم تو سچ بول رہے ہیں، غلط بیانی یا جھوٹ سے کام نہیں لے رہے ہیں، گویا ان کے نزدیک اگر کسی کی برائی بیان کرنے کے لئے جھوٹ بولا گیا ہے تب غیبت ہوگی، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص کا پیٹھ پیچھے کسی عیب یا برائی کے ذریعہ تذکرہ کرنا ہی غیبت ہوتا

ہے، اگر چہ وہ برائی فلاں شخص میں موجود ہو، اگر وہ برائی اس شخص میں نہیں ہے جس کا تذکرہ کیا گیا ہے تب یہ غیبت سے بھی زیادہ بدتر گناہ ہے، اس کو بہتان کہا جاتا ہے، حدیث میں حضورﷺ نے غیبت کی تعریف ہی یہ فرمائی ہے: ''ذکرك أخاك بما یکره '' اپنے بھائی کا تذکرہ اس طرح کرنا کہ جب اسے معلوم ہو تو ناگوار گذرے،

امام نووی شارح مسلمؒ نے اپنی کتاب ''الأذکار'' میں غیبت کی بڑی جامع تعریف ذکر کی ہے، لکھتے ہیں: ''الغیبة هی ذکر المرأ بما یکره، سواء فی دینه أو بدنه، أو خلقه، أو ماله، أو ولده، أو زوجه، أو حرکته، أو طلاقته، سواء کان ذلك باللفظ أو بالرمز أو بالاشارة'' غیبت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی کے دین، جسم و بدن، اخلاق، مال، آل اولاد، بیوی، حرکات و سکنات، چال ڈھال کا تذکرہ زبان سے، اشارہ سے کنایہ سے اس طرح کرے کہ اس شخص کو معلوم ہو جائے تو ناپسند ہو''

اصل میں غیبت کرنے والا شخص جب کسی کی برائی بیان کرتا ہے، تو نہ اس کا مقصد اصلاح ہوتا ہے، اور نہ ہی دوسروں کو اس برائی سے روکنا ہوتا ہے، بلکہ اپنے نفس اور باطن کے جذبہ خبیث کی تسکین ہوتا ہے، کہ کسی شخص کی برائی بیان کر کے اس کی تذلیل واہانت کی جائے، معاشرہ میں اس کو بدنام کیا جائے، اسلام ایسے ناپاک جذبات و رذائل اخلاق سے معاشرہ کو پاک رکھنا چاہتا ہے، تاکہ اخوت ایمانی اور باہمی محبت کی شفافیت باقی رہے،

غیبت ایک بدترین رذیلہ اخلاق، گناہ کبیرہ، اللہ کو ناراض کرنے والا جرم ہے، اس آیت میں اس کی انتہائی بھیانک و خوفناک تمثیل بیان کی گئی ہے، اگر کوئی شخص غیبت کرتا ہے تو اس کو مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے، یہ تشبیہ صورتحال کی شناعت اور خوفناکی کو بڑھا دیتی ہے، اور حرمت در حرمت کا تصور پیدا کرتی ہے، ایک طرف انسانی گوشت کھانا حرام ہے، وہ بھی اگر بھائی کا گوشت ہو تو مزید شناعت و قباحت فطری طور پر بڑھ جاتی ہے، تیسری بات یہ کہ وہ بھائی بھی مردہ ہو جس کا گوشت کھایا جا رہا ہے، تو مزید اس کی خوفناکی اور گھنوناپن بڑھ جاتا

ہے،علامہ شوکانی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:"فهذا نهى قرآنى عن الغيبة مع ايراد مثل لذلك،يزيده شدة وتغليظا،ويوقع فى النفوس من الكراهة والاستقذار لما فيه مالا يقادر قدره،فان اكل لحم الانسان من أعظم مايستقذره بنوآدم جبلة وطبعا، ولوكان كافرا أو عدوا مكافحا، فيكف اذا كان أخا فى النسب،أو فى الدين،فان الكراهة تتضاعف بذلك،ويزداد الاستقذار، فكيف اذا كان ميتا؟ فان لحم ما يستطاب ويحل أكله يصير مستقذرا بالموت،لايشتهيه الطبع ولا تقبله النفس،وبهذا يعرف ما فى هذه الآية من المبالغة فى تحريم الغيبة بعد النهى الصريح عن ذلك"(فتح القدیر)

اس آیت میں غیبت کی ممانعت ایک مثال کے ساتھ وارد ہوئی ہے، جو اس کی شدت وہولناکی کو بڑھا دیتی ہے،اور دل میں اس بدترین جرم کی ایسی قباحت وکراہیت پیدا کرتی جس کا تصور محال ہے،اس لئے کہ انسان کا گوشت کھانا یہ خود انسان کے لئے فطری وجبلی طور پر قبیح فعل ہے،اگرچہ کافرودشمن ہی کیوں نہ ہو،جب کافرودشمن کے ساتھ بھی اسکے گوشت کھانے کا تصورنہیں ہوسکتا تو بھائی کے گوشت کھانے کی ہولناکی کا کیا عالم ہوگا،اس خیال سے شناعت وقباحت دوبالا ہوجاتی ہے، اور وہ بھی اگر مردار کا تصور کیا جائے تو کیا حال ہوگا!! ذرا سوچو کہ جن حیوانات کا گوشت کھایا جاتا ہے،اگر وہ بھی مردار ہوجائیں تو اس کے گوشت سے گھن محسوس ہوتی ہے،اس کو بھی دل قبول نہیں کرتا،اس تمثیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ غیبت کی صاف حرمت کے اعلان کے بعد اس کی حرمت کا یہ مبالغہ آمیز ہولناک تصور ذہن میں بٹھانے کے لئے قرآن نے کیا اسلوب اختیار کیا ہے"

امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں؛"فكما تكرهون هذا طبعا فاكرهوا ذاك شرعا" جس طرح تم طبعی طور پر مردہ بھائی کے گوشت کھانے کو ناپسند کرتے ہو،اس سے فطری طور پر گھن آتی ہے، ویسے ہی غیبت کو شرعی طور پر ناپسند کرو،اور گھن محسوس کرو،

اس تمثیل کی تشریح کرتے ہوئے علامہ آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں: ''کنی عن الغیبة بأكل الانسان للحم مثله، لأنها ذكر المثالب وتمزيق الأعراض المماثل لأكل اللحم بعد تمزيقه، وجعله ميتا لأن المغتاب لا يشعر بغيبته '' آیت میں غیبت کو سمجھانے کے لئے بھائی کے گوشت کھانے کی مثال دی گئی ہے، کیوں کہ غیبت میں کسی کے عیوب کا تذکرہ ہوتا ہے، اس کی عزت وآبرو کو زبان درازی سے تارتار کیا جاتا، جیسے گوشت خور گوشت کھانے کے لئے ٹکڑے کرتے ہیں، نوچ کر کھاتے ہیں، نیز جس کی غیبت کی گئی اس کو ''مردہ'' سے اس لئے تشبیہ دی گئی کہ جیسے مردہ کو کچھ معلوم نہیں ہوتا، ویسے ہی اس شخص کو اپنے برائی کے تذکرہ کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں ہوتا'' (روح المعانی)

سچی بات ہے کہ غیبت کی حرمت کی تاکید اس اسلوب بیان کے ساتھ اس آیت میں وارد ہوئی ہے، جس کے تصور سے بھی ایک مومن ہی کیا، ہرانسان کے رونگٹے کھڑے ہونے چاہئیں، اسلام نے ایک مسلمان کی جان، مال، عزت، آبرو کو تحفظ فراہم کیا ہے، کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے بھائی کی عزت، آبرو، جان، مال پر دست درازی ہے، یا زبان درازی کرے، بعض روایات میں تو عزت وآبرو پر زبان درازی کو ''سب سے بڑا گناہ'' یا ''سب سے بڑا سود'' بتایا گیا ہے، حضرت سعید بن زید سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ''من أربى الربى الاستطالة فى عرض المسلم بغير حق '' سب سے بدترین اور بڑا سود یہ ہے کہ ایک مسلمان کی عزت وآبرو کے بارے میں کوئی زبان درازری کرے، سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں اسی کو ''اكبر الكبائر '' کہا گیا ہے،

حضرت عائشہؓ فرماتی کہ میں نے حضور ﷺ کے سامنے حضرت صفیہؓ کے بارے میں صرف یہ جملہ کہا تھا: '' حسبك من صفية أنها قصيرة ''صفیہ کے لئے کافی ہے کہ وہ چھوٹے قد کی ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لقد قلت كلمة لومزجت بماء البحر لمزجته ''تم انے ایسا جملہ کہا ہے کہ اگر اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے تو اس کی تلخی سمندر کے

پانی پہ غالب آجائے'' مولانا مبارکپوری اس کی تشریح میں لکھتے ہیں؛'' المعنی أن الغیبة لوکانت مما یمزج بالبحرلغیرته عن حاله مع کثرته وغزارته،فکیف بأعمال نزرة خلطت بها '' مطلب یہ ہے کہ اگر غیبت کوسمندر کے پانی میں ملانے کا تصور کیا جائے تو حال یہ ہوگا کہ سمندر کے پانی پر کثرت کے باوجود غیبت کا معمولی جملہ غالب ہوکراس کی حالت تبدیل کردے گا،تو معمولی اعمال کا کیا حال ہوگا،جن کے ساتھ غیبت کوشامل کردیا جائے''

غیبت کی اسی شناعت کی وجہ سے حضرت عدی بن حاتم سے منقول ہے فرماتے ہیں؛'' الغیبة مرعی اللئام '' غیبت تو کمینہ صفت انسانوں کی چراگاہ ہے،غیبت کے بارے سخت ترین وعیدیں اور تمثلات قرآن وسنت میں وارد ہوئی ہیں، جوشاید شرک کے علاوہ کسی اور گناہ کے سلسلہ میں نہیں وارد ہوئی ہیں،اس آیت میں اسی بدترین اخلاقی گھنونے جرم سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم لکھتے ہیں؛

'' ان دونوں آیتوں میں جن چھ باتوں سے روکا گیا ہے ان پر تدبر کی نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے اوپر کی تین باتیں- مذاق اڑانا،طعن کرنا، برے القاب چسپاں کرنا- ان برائیوں میں سے ہیں جن کا ارتکاب انسان علانیہ پبلک میں کرتا ہے، باقی تین برائیاں- سوء ظن،تجسس،اورغیبت- انسان کی پرائیوٹ زندگی سے تعلق رکھنے والی ہیں،جن کو وہ دوسروں سے چھپا کر یا اپنے محرمان راز کے اندر محدود رکھتا ہے،ان دونوں ہی قسموں کی برائیوں کی ممانعت اسلامی تزکیہ وتطہیر کے اس اصول پرمبنی ہے جوقرآن میں'' وَذَرُواْ ظَاهِرَ الإِثْمِ وَبَاطِنَه '' (اور گناہ کے ظاہر اور باطن دونوں ہی کو چھوڑ دو) کے الفاظ سے بیان ہوا ہے، جب تک انسان اپنے آپ کو ان برائیوں سے پاک نہیں کرتا جواس کے باطن سے تعلق رکھنے والی ہیں،اس وقت تک اس کے اندر اللہ کے علام الغیوب ہونے کا وہ شعور راسخ نہیں ہوتا جس کے بغیر دل کے اندر تقوی کی روئیدگی بالکل خارج از امکان ہے'' (تدبر قرآن ۷/۵۱۲)

اس آیت مبارکہ میں چھ انتہائی مہلک اخلاقی امراض سے اہل ایمان کو متنبہ کیا گیا ہے، یہ جرائم انسان کے اخلاقی دیوالیہ پن کی دلیل، اور متکبرانہ مزاج کی علامت ہیں، جس معاشرہ میں ان جرائم کا گھن لگ جائے وہ باہمی محبت والفت، اتحاد ویگانگت ہی نہیں اعلی انسانی واخلاقی اقدار سے محروم ہو جاتا ہے، افسوس کا مقام ہے کہ جن جرائم سے قرآن پاک نے اہل ایمان کے معاشرہ کو پاک کیا ہے، زمانہ جاہلیت کے جن رذائل اخلاق سے دور رہنے کا اس تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے، آج اس میں عوام ہی نہیں خواص کا اچھا خاصا طبقہ ملوث نظر آتا ہے، علماء، بزعم خود قائدین، اصلاح کا دعوی کرنے والے، افراد تنظیمیں آج ان اخلاقی جرائم کے معاملہ میں جہاں کھڑے ہیں ان کو دیکھ کر اندازہ کرنا مشکل ہے کہ یہی قرآن وسنت کی نمائندگی کرنے والا طبقہ ہے، ہر فرد، ہر جماعت، ہر تنظیم اپنے مقابلہ دوسروں کو نیچا دکھانے، پگڑیاں اچھالنے، پھبتیاں کسنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتی، مجالس ونشستوں میں اگر غیبت ہی نہیں خطرناک درجہ کی بے بنیاد الزام تراشیاں، بہتان طرازیاں نہ ہوں تو شاید بسا اوقات گفتگو کو کوئی موضوع نہ مل سکے، گھنٹوں قرآن وسنت کی نمائندگی کرنے والے، اصلاح کے بلند بانگ دعوے کرنے والے، اور مکارم اخلاق واتحاد واتفاق پر گھنٹوں زور خطابت سے مسحور کرنے والے اپنی نجی مجالس وخلوتوں میں اپنے علاوہ دوسروں میں کیڑے نکالتے، عیب جوئی کرتے نہیں تھکتے ہیں، کتنے ایسے ہیں جو اپنے متعلقین ومسترشدین کو نت نئے طریقہ دوسروں کی ٹوہ اور تجسس کے سکھاتے اور بتاتے ہیں، بلکہ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ اپنے فریب وخدع کے ذریعہ کسی کو نیچا دکھانے اور عیب تلاش کرنے کے لئے جب اپنے کسی متعلق کو اس کے پیچھے لگاتے ہیں تو ایسے فضائل اپنے بدترین نفسیاتی واخلاقی رذیلہ کے بتاتے ہیں کہ یہ گویا خدمت دین کا کوئی اہم تقاضہ ہو، واضح رہے کہ غیبت، بہتان تراشی، گھٹیا ومذموم مقاصد کے لئے تجسس وٹوہ کا مزاج، بدگمانی وبدظنی گناہ کبیرہ، بدترین اخلاقی جرام، اور مہلک ترین امراض ہیں، اصل ''صلاح'' و''تقوی'' یہ ہے کہ انسان ان قبیح اخلاقی رذائل سے دور ہو، اس کا باطن کبر وغرور، حسد وعناد، کینہ کپٹ سے بالکل پاک ہو، اس کے دل میں دوسروں کو نیچا دکھانے اور حقیر سمجھنے

کے بجائے محبت والفت کے جذبات موجزن ہوں، اگر قلب وضمیر ان مکارم اخلاق اور بلند ترین جذبات سے معمور ہے، اور ظاہر اس کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہے تب انسان ''متقی'' ودیندار ہے، ورنہ بلند بانگ دعوے، ظاہری وضع قطع، تقوی کی نمائش اور بناؤ سنگھار ہو سکتے ہیں، حقیقت ایمان اور تقوی کی افزائش ایسے قلوب میں نہیں ہوتی،

دوسروں کو نیچا دکھانے اور کسی کو حقیر سمجھنے کے جذبات کا حقیقی ونفسیاتی علاج اس آیت میں بتایا گیا ہے، کہ ہوسکتا ہے کہ جس کا تم مذاق اڑاتے ہو، تحقیر وتذلیل کرتے ہو ہوسکتا ہے وہ تم سے بہتر ہو، تمہارے ظاہری خودساختہ پیمانے ومعیار کسی کی عزت وذلت، اور کمتری وبرتری کی حقیقی میزان نہیں ہیں، عزت وکرامت اور بہتر ہونے کی حقیقی میزان اس سے آگے کی آیت میں مذکور ہے، اسلام ان اعلی اخلاقی وانسانی قدروں پر معاشرہ کی تعمیر کرتا ہے،

(۶) عصبیت ورنگ ونسل کے امتیازات کا خاتمہ، مساوات انسانی کا عالمی ودائمی اعلان

یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاکُم مِّن ذَکَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَکْرَمَکُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاکُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِیمٌ خَبِیرٌ

ارشادخداوندی ہے: ''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد وعورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہیں قبائل و جماعتوں میں تقسیم کیا ہے، تاکہ آپس میں شناخت حاصل کرسکو، تم میں اللہ کے نزدیک سے زیادہ معزز وہ ہے جوزیادہ تقوی شعار ہے، بے شک اللہ بہت جاننے والا اور بہت باخبر ہے

اس آیت میں رنگ ونسل، قوم وقبیلہ، خاندان ونسب کی بنیاد پر باہم فخر وغرور کے ان تمام امتیازات کا خاتمہ کردیا ہے، جوانسانوں نے وضع کررکھے تھے، جن اخلاقی رذائل کا اوپر والی آیت میں ذکر ہوا ہے، عموما ان کا سبب یہی فخر وغرور کے جھوٹے پیمانے ہوتے ہیں، جن کا حقیقت کی میزان میں کوئی وزن نہیں ہوتا، انسانی تاریخ شاہد ہے کہ انسانوں نے بارہا ''کمتر وبہتر'' کے خودساختہ پیمانے اور اسباب وضع کئے، اور انسانیت کو ذلیل کیا ہے، بالخصوص ماقبل اسلام زمانہ جاہلیت میں خاندان وقبیلہ، نسب وحسب کی بنیاد پر کسی کو ''اعلی'' اور کسی کو ''ادنی'' سمجھنے کا مزاج عام تھا، عربوں میں قریش کوسب سے اعلی مقام حاصل تھا، اس میں بھی آپس میں مختلف شاخوں میں قبائلی عصبیت پائی جاتی تھی، عرب سے باہر دیکھئے تو عجم بھی اس کے مہیب اثرات سے خالی نہ تھا، ہندوؤں میں برہمن، یہودیوں میں بنی لاوی کا نام ان کے ''اعلی'' ہونے کے لئے کافی تھا، ایران میں خاندان شاہی کی نسبت عقیدہ تھا کہ ان کی رگوں میں الہی خون دوڑتا ہے، وہ برتری کے ایسے مقام پر ہیں جہاں آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی محال ہے، رنگ ونسل، قوم وقبیلہ کی بنیاد پر فخر وغرور کے یہ جھوٹے پیمانے صرف مفاخر بیان کرنے کی حدتک نہیں ہوتے تھے، بلکہ انسانی برادی کے افراد پر سخت ترین مظالم ڈھائے گئے ہیں، عصبیت کی تاریخ خوں آشامی سے بھری ہوئی ہے،

قرآن مجید کی اس آیت ان تمام اسباب کا خاتمہ کیا، اور انسانی مساوات ووحدت کا عالگیر ودائمی اعلان کیا، اسلام نے انسانی وحدت کی نہایت محکم، پختہ اور معقول بنیاد ذکر کی، اعلی وادنی، برتر وکمتر کا صحیح پیمانہ وحقیقی میزان کو واضح کیا، چنانچہ فرمایا: اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اس حقیقت کے اظہار سے انسانی برادری کے تمام افراد کو بحیثیت انسان برابر قرار دیا،

اسی مضمون کی تذکیر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کے لق ودق مجمع کے سامنے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمائی تھی، فتح مکہ کے بعد جب آپ ﷺ نے اپنا آخری حج فرمایا، عرفات کے میدان میں جاں نثاروں کا انبوہ تھا، ایسے مبارک دن، مبارک مہینہ اور مبارک مقام پر رشک ملائک جماعت کے سامنے آپ ﷺ نے تاریخ ساز خطبہ ارشاد فرمایا، اس خطبہ کو ''خطبہ حجۃ الواداع'' کہا جاتا ہے، اس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

''أیھا الناس ! ان ربکم واحد، وان أباکم واحد، کلکم من آدم، وآدم من تراب، ان أکرمکم عند اللہ أتقاکم، لا فضل لعربی علی عجمی، ولا لعجمی علی عربی، ولا لأسود علی أبیض، ولا لأبیض علی أسود الا بالتقوی'' اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے، اور تم سب کا باپ بھی ایک ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو، آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا، کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی برتری وتفوق وطن ورنگ کی بنیاد پر حاصل نہیں، ہاں اللہ کے نزدیک سب سے افضل وہ ہے جو زیادہ خداترس وتقوی شعار ہے''

مختلف الفاظ معمولی فرق کے ساتھ اس خطبہ کے کتب سیرت وتاریخ میں وارد ہوئے ہیں، یہ ایک طویل اور تاریخی خطبہ تھا جو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اور اس میں انتہائی اہم اور بنیادی امور کی طرف اشارہ فرمایا تھا، اس خطبہ میں ایک مضمون انسانی عالمگیر ودائمی مساوات کا علان بھی تھا، قوم وقبیلہ یا خاندان ونسب پر فخر وغرور سے متعلق آنحضرت ﷺ نے متعدد مرتبہ یہی

مضمون ارشاد فرمایا ہے، فتح مکہ کے موقع پر جب صحن کعبہ میں قریش کے لوگ جمع تھے آپ ﷺ نے اعلان فرمایا؛ ’’یا معشر قریش ان اللہ أذهب عنكم نخوة الجاهلية وفخرها بالآباء، مؤمن تقي، وفاجر شقي، أنتم بنو آدم وآدم من تراب ‘‘ اے قبیلہ قریش کے لوگو! اللہ نے تم سے جاہلی کبر ونخوت، اور نسب وخاندان کے فخر وغرور کو ختم کردیا ہے، دو قسم کے انسان ہوتے ہیں، ایک خداترس تقوی شعار بندہ مؤمن، دوسرا بد بخت فاجر وگناہ گار، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور یاد رکھو آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا،

سنن ترمذی میں اس کے یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں، ’’یا أيها الناس ! ان الله رفع عنكم عبية الجاهلية وتعاظمها بآباء ها، فالناس رجلان، رجل بر تقي كريم على الله، ورجل فاجر شقي هين على الله، والناس بنو آدم، وآدم من تراب ‘‘ اے لوگو! اللہ نے جاہلیت کے کبر وغرور اور عصبیت کو ختم فرما دیا ہے، دو طرح کے انسان ہوتے ہیں، ایک صاحب تقی، نیک وصالح اللہ کی نظر میں معزز انسان، دوسرے فاجر وبد بخت، اللہ کی میزان میں بے حیثیت انسان، تمام انسان آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی سے پیدا کیا گیا تھا، بعض روایات میں تو خاندان ونسب پر فخر وبرتری کا اظہار کرنے والوں کے لئے سخت الفاظ وارد ہوئے ہیں، ترمذی ہی کی روایت ہے: ’’لينتهين اقوام يفتخرون بآباء هم الذين ماتوا، انما هم فحم جهنم ‘‘ آباء واجداد، اور خاندان کی بنیاد پر لوگوں فخر کرنے سے باز آجانا چاہیئے، یاد رکھو، جن پر تم فخر جتاتے ہو، وہ جہنم کا ایندھن بن چکے ہیں

بہر حال اسلام نے رنگ ونسل، قوم وقبیلہ، خاندان وطن کی جھوٹی بنیادوں پر امتیاز وتفوق اور فخر وغرور کے سارے پیمانے ختم کردئے، اور یہ اعلان کیا ہے کہ تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں، سب ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد ہیں، اس پوری انسانی برادری میں کوئی کسی سے اعلی وادنی، برتر وکمتر ذات ونسل کی وجہ سے نہیں ہے، ہاں برتر وافضل صرف وہ شخص ہے جو زیادہ خداترس، تقوی شعار، پرہیزگار، نیک وصالح اور اپنے پیدا کرنے والے خدا کی نظر میں بہتر

ہے،''ان أکرمکم عند الله اتقاکم'' صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے:''سئل أی الناس أکرم؟ قال: أتقاھم لله''(رواہ البخاری) حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو سب سے زیادہ اللہ کا تقوی اختیار کرنے والا ہے'' خاندان وقبیلہ فخر وپندار کے اظہار یا عزت وبرتری کے معیار کے لئے نہیں بنائے گئے ہیں، بلکہ صرف تعارف وشناخت کے لئے بنائے گئے ہیں، جو شخص ان کو عزت وذلت، اور فخر وغرور کا معیار گردانتا ہو وہ خدا کے نظام سے جاہل وغافل تو ہے، عصبیت جاہلی کا شکار ہے،

سب سے زیاددہ معزز، قابل قدر وقابل رشک وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی وپرہیز گار ہے، اللہ تعالی نے تمام معیار اور پیمانوں کو ختم کر کے صرف ایک پیمانہ افضلیت وبرتری کا ذکر فرمایا ہے، اور''تقوی'' ایسی صفت ہے جس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، یہ وہ معیار ومیزان ہے جو ظاہر میں کسی کو نظر نہیں آتا، تقوی کو طاق دل میں سجایا گیا ہے، نہاں خانہ دل میں اس کو رکھا گیا ہے، خدا کے سوا کوئی یہ فیصلہ کر ہی نہیں سکتا کہ کس کے دل میں زیادہ تقوی وخداترسی ہے، کون اللہ کی نظر میں زیادہ معزز ہے، اسی لئے اس آیت کے اخیر میں فرمایا گیا:''إِنَّ اللّٰہَ عَلِیمٌ خَبِیرٌ'' اللہ خوب باخبر ہے اور جانتا ہے، اللہ کو اس کی ضرورت نہیں کہ کوئی اس کو یہ بتائے کہ کون زیادہ متقی وپرہیز گار، اللہ سے ڈرنے والا، اور حدود الہی کا پابند ہے، بقول مولانا امین احسن اصلاحی:''اس مقرر کردہ معیار پر لوگوں کو پرکھنے میں اللہ تعالی کو کوئی زحمت یا مغالطہ پیش آنے کا امکان ہی نہیں، وہ ہر چیز کو جاننے والا، اور ہر ایک کے قول وفعل کی خبر رکھنے والا ہے، جو عزت کا مستحق ہوگا، وہ اپنا عزت کا مقام پاکے رہے گا، اگر چہ وہ کتنے ہی گمنام وحقیر خاندان سے اٹھا ہو، اور جو اس کا مستحق نہیں ہوگا، وہ خواہ کتنا ہی بڑا قرشی وہاشمی، یا سورج بنسی اور چاند بنسی ہو لیکن اللہ تعالی اس کو اسی کھڈ میں پھینکے گا جس کا وہ سزاوار ہوگا''(تدبر قرآن ۷/۵۱۳)

مولانا آزاد مرحوم نے کیا خوب لکھا ہے:''خاندان کے فخر کا بت بھی دنیا کے عہد جاہلیت کی ایک یادگار مشؤوم ہے، اور اسلام نے انسان کے بہت سے بنائے ہوئے بتوں کے

ساتھ اس کو بھی توڑ دیا تھا، بہت ممکن ہے کہ کل کو ایک نومسلم چمار اپنے حسن عمل سے وہ مرتبہ پائے جو شیخ الاسلاموں کی اولاد کو نصیب نہ ہو، یہ کل کو ہونے والی بات ہے، اور آج بھی دنیا میں دیکھ رہے ہیں کہ عمل کا فرشتہ کتنے ہی بڑوں کو چھوٹا کرتا ہے، اور کتنے ہی چھوٹوں کو بڑا بناتا ہے" (تذکرہ مولانا آزاد)

سچی بات یہ ہے کہ اسلام نے ایمان، عمل صالح، حسن اخلاق، وحسن کردار کو معیار فضیلت قرار دیا ہے، جس کا جامع ومختصر نام "تقوی" ہے، اس کے علاوہ اللہ کے یہاں کوئی اور چیز مقبول ومحبوب نہیں، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ان اللہ لاینظر الی صورکم ،ولا الی اجسامکم، ولکن ینظر الی قلوبکم " اللہ تمہاری شکلوں، اور جسموں کو نہیں دیکھتا بلکہ اللہ تمارے دلوں کو دیکھتا ہے،

جس طرح رنگ ونسل، قوم وقبیلہ کی بنیاد پر افضلیت وبرتری کے سارے پیمانے اسلام کی نظر میں دھول ہیں، اوراس کی بنیاد پر تعصب وفخر کی کوئی گنجائش نہیں، ویسے ہی مسلک ومذہب، ادارہ وجماعت، اور کسی نسبت کو افضلیت کا معیار قرار دینا بھی اسلامی ذوق کے خلاف ہے، اور جاہلیت کی یادگار ہے، آج مسلکی ومذہبی تعصب کی بنیاد پر، ادارہ ومشائخ کی نسبتوں کی بنیاد پر فخر وپندار کا بت خود علماء وطلبہ، اصحاب علم ودانش کے حلقہائے علم، اور مشائخ کی خانقاہوں میں خوب نظر آتا ہے، اسلام کی نظر میں نسبتیں کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہیں، حسن عمل اور حسن کردار اصل ہے،

(۷) حقیقت ایمان کا بیان اور اس کے تقاضے، صفاتِ الٰہی کی تذکیر

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئاً إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (14) إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُوْلَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (15) قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (16) يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (17) إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ 18)

بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، آپ کہہ دیجئے کہ ابھی تم ایمان نہیں لائے، لیکن یہ کہو کہ ہم نے بہ ظاہر اطاعت کرلی، حالاں کہ ابھی ایمان کی حقیقت تمہارے دلوں میں نہیں اتری، اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروگے، تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کمی نہیں کرے گا، بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے، اہل ایمان تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر کسی شک وشبہ میں نہیں پڑے، اور اپنے جان ومال کے ذریعہ راہ خدا میں جہاد کیا، یہی لوگ سچے وراست باز ہیں، آپ کہہ دیجئے کیا تم اللہ کو اپنے دین وطاعت کے بارے میں بتاتے ہو، حالاں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے، وہ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے، آپ کہ دیجئے کہ اپنے اسلام کا احسان مجھے نہ دکھاؤ، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہدایت کی توفیق دے کر تم پر احسان فرماتا ہے، اگر تم سچے ہو، بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کے غیب سے واقف ہے، اور اللہ ان چیزوں کو بخوبی جانتا ہے جو تم کرتے ہو،

اس مجموعہ آیات میں چند بہت اہم اور بنیادی مضامین کی طرف اشارہ ہے، سب سے پہلے تو اطراف مدینہ کے دیہات اور قبائل ان لوگوں پر نکیر کی گئی ہے جو حقیقت ایمان سے

نا آشنا تھے، ابھی ایمان ویقین دل میں نہیں اترا تھا، بس ظاہری طور پر یا تو اسلام کی طاقت سے متاثر ہو کر یا بعض دیگر اسباب کے تحت انہوں نے ایمان قبول کر لیا تھا، ایسے ہی افراد پر سورت کے شروع میں تنبیہ وارد ہوئی تھی، جو لوگ مدینہ منورہ آتے تو ذات نبوی کے ادب کا خیال نہیں رکھتے تھے، بلکہ آگے بڑھ بڑھ کر مشورے دینے کی کوشش کرتے تھے، مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم فرماتے ہیں: ''اعراب سے مراد اطراف مدینہ کے وہی دیہاتی لوگ ہیں، جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، کہ یہ لوگ نبی ﷺ سے بات کرتے ہیں تو آپ کو اس طرح خطاب کرتے ہیں، جس طرح کوئی شخص اپنے برابر کے آدمی کو خطاب کرتا ہے، اگر کبھی آپ سے ملنے آتے ہیں تو آتے ہی ان کی خواہش ہوتی ہے کہ بلا تاخیر آنحضرت ﷺ ان سے ملاقات کریں، یہاں تک کہ اگر آپ اپنے گھر اندر تشریف فرما ہوتے ہیں، تو یہ انتظار کی زحمت اٹھانا گوارا نہیں کرتے بلکہ گھر کے باہر سے ہی آپ کو پکارنا شروع کر دیتے ہیں، ان کے اس گنوار پن میں جہاں تربیت سے محرومی کو دخل تھا وہیں اس بات کو بھی دخل تھا کہ یہ لوگ اس وہم میں مبتلا تھے کہ انہوں نے بغیر کسی جنگ وجدال کے اسلام قبول کر کے آپ ﷺ کے اوپر احسان کیا ہے، جس کا صلہ انہیں یہ ملنا چاہیئے کہ آنحضرت ﷺ ان کو اپنا اور اسلام کا محسن سمجھیں، اور ہر موقع پر ان کی ناز برداری فرمائیں، ان لوگوں کی اسی ذہنیت پر یہاں ضرب لگائی جارہی ہے'' (تدبر قرآن ۵۱۰/۷)

ایمان اور ہدایت کی توفیق اللہ کی عظیم ترین نعمت ہے، اگر انسان کو ایمان کی حقیقت سے ذرا بھی آشنائی ہوتی ہے، اس کی قدر وقیمت کا اندازہ ہوتا ہے، تو بندہ مومن کے ظاہر و باطن، اعمال واخلاق، سلوک وکردار پر اس کے گہرے اثرات دکھائی دیتے ہیں، ان اثرات میں ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کا دل اللہ کی اس توفیق اور اس عظیم نعمت پر ہر وقت احساس شکر سے معمور رہتا ہے، اس کے جسم وقالب کے ساتھ اس کی روح وقلب بھی اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہے، اور یقیناً جس کو ایمان کی دولت ملتی ہے وہ بڑا ابخت آور اور خوش نصیب ہوتا ہے، آیت نمبر سات اور آٹھ میں اللہ کی اسی نعمت اور اس پر احساس تشکر کی طرف اشارہ تھا، یہاں ان لوگوں کے طرز عمل پر نکیر کی جارہی

ہے جو ابھی ایمان کی حقیقت سے نا آشنا، اس عظیم نعمت اور فضل خداوندی کے صحیح ادراک سے محروم ہیں، اور بجائے شکر بجالانے کے خود اپنے اسلام کا احسان اللہ و نبی پر رکھتے ہیں، یہ طرز حقیقت ایمان کے منافی ہے،

ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ مومن کو اللہ کی ذات وصفات کا پکا یقین اور راسخ عقیدہ ہو، اس کی ربوبیت وخلاقیت، عظمت و کبریائی کا صحیح ادراک ہو، اور یہی پختہ یقین فکر ونظر سے نکل کر زندگی کے ظاہر کو اطاعت وفرمانبرداری کے سانچہ میں ڈھالتا ہو، نہ اعتقاد میں کوئی کمزوری و لچک ہو، نہ عمل میں کوتاہی وکجی، حتی کہ اس متاع گراں مایہ کے راستہ میں جان ومال کی بھی کوئی قدر وقیمت نگاہ میں نہ ہو، اسی حقیقت کو یہاں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے؛ ''إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُون '' اگر انسان کے دل، فکر ونظر، قلب وقالب، ظاہر و باطن کی کیفیت وحالت نہیں ہے، تو سچی بات یہ ہے کہ ابھی ایمان کی حقیقت سے دور اور اس کی صحیح کیفیت سے نا آشنا ہے، وہ زبانی اظہار، اور ظاہری طاعت ہے، جہاں صرف جسم کچھ شکل اختیار کر لیتا ہے، قلب و روح اس کی جلوہ گری سے محروم ہوتے ہیں،

آنحضرت ﷺ کے جاں نثار صحابہ جنہوں نے فیض نبوت سے تربیت پائی تھی، ایمان ویقین کی اعلیٰ ترین منزلوں پر تھے، طبرانی نے معجم کبیر میں ایک رویات نقل کی ہے، حضرت حارث بن مالک انصاری فرماتے ہیں کہ وہ ایک دن آنحضرت ﷺ کے پاس سے گذرے، آپ ﷺ نے فرمایا؛ ''كيف أصبحت يا حارث' حارث کس حال میں صبح ہوئی ہے،؟ انہوں نے جواب دیا؛ '' أصبحت مؤمنا حقا، فقال انظر ما تقول:فان لكل شئى حقيقة،فما حقيقة ايمانك ؟قال: قد عزفت نفسي عن الدنيا،وأسهرت لذلك ليلي،وأظمأت نهاري،وكأني أنظر الى عرش الرحمن بارزا،وكأني أنظر الى أهل الجنة يتزاورون فيها،وكأني أنظر الى أهل النار يتضاغون فيها،فقال

:یاحارث، عرفت فالزم، ثلاثا'' حضرت حارثؓ نے فرمایا؛ اللہ کے رسول! اس حال میں صبح ہوئی کہ ایمان کی حقیقت دل میں جاں گزیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا؛ حارث! غور کرو، کیا کہہ رہے ہو، ہر چیز کی کوئی حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ تمہارے اس قول کی دلیل کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا؛ اللہ کے رسول! دنیا میرے دل سے نکل چکی ہے، اور اسی وجہ سے میں رات کی تنہائی میں اللہ کے حضور جاگتا ہوں، دن میں روزہ کی بھوک پیاس برداشت کرتا ہوں، اور ایسا لگتا ہے کہ میں عرش الٰہی کو سامنے اپنی نگاہ سے دیکھ رہا ہوں، اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ آپس میں شاداں وفرحاں ملاقاتیں کر رہے ہیں، اہل جہنم میری نگاہ کے سامنے ہیں، اور عذاب کی شدت سے چیخ رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا؛ حارث تم نے ایمان ویقین کی حقیقت کو سمجھ لیا ہے، اسی پر قائم رہنا''

ظاہر ہے کہ صرف زبانی اظہار اور ظاہر اطاعت سے یہ کیفیات کہاں نصیب ہوسکتی ہیں، ان کیفیات کے ساتھ عبادت وطاعت کچھ اور ہے، اور محض ظاہری طور پر جسم وجوارح کے ساتھ اطاعت اختیار کرلینا کچھ اور ہے، یہی حقیقت وکیفیت مطلوب ہے، جب یہ نصیب ہوتی ہے، تب چشم دل میں نظر پیدا ہوتی ہے، تب انسان صفحہ کائنات میں خدا کی ربوبیت کے نظارے کرتا ہے، اس وقت خدا کے آگے انسان کا ظاہر وباطن جھکتا ہے، اور احساس بندگی سے معمور ہوتا ہے،

''قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا'' اسی حقیقت کا اظہار یہاں ''ایمان'' اور ''اسلام'' کے لفظ سے کیا گیا ہے، ایمان اسی جامعیت وکیفیت کا نام ہے، جبکہ لفظی اعتبار سے ''اسلام'' ظاہری اطاعت کو کہتے ہیں، امام بخاریؒ -جن فقاہت حدیث متفق علیہ ہے- انہوں نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ''ایمان'' کی بڑی جامع ومرتب ومبسوط اور ممتاز ترین تشریح کی ہے، ان کے تراجم ابواب دراصل بڑی معنویت کے حامل ہیں، جہاں انہوں نے الفاظ کے کوزے میں دریا ہی نہیں سمندر بند کئے ہیں، چنانچہ ایک ترجمۃ الباب کے تحت یہی آیت ذکر فرمائی ہے، اور اس

آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ باب قائم فرمایا ہے، گویا یہ ترجمۃ الباب اس آیت کی تشریح ہے،فرماتے ہیں؛"باب اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقۃ،وکان علی الاستسلام،أو الخوف من القتل، لقوله تعالی:"قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا فاذا کان علی الحقیقۃ فهو علی قوله :"ان الدین عند الله الاسلام،ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه "اس کا بیان کہ جب کسی کا قبول اسلام مبنی بر حقیقت نہیں ہوتا، بلکہ محض ظاہری اطاعت پر محمول ہوتا ہے، یا قتل وغیرہ کے خوف سے صرف جان بچانے کے لئے اس کا ظہار ہوتا ہے،جیسا کہ اللہ تعالی نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے؛ بدوؤں نے کہا کہ ہم نے ایمان قبول کرلیا،آپ کہد یں، کہ تم ایمان نہیں لائے، بلکہ یہ کہو کہ ظاہری اطاعت قبول کی ہے،لیکن اگر کوئی شخص کلی طور پر اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ کردے، اوراسی کی بندگی وطاعت میں داخل ہوجائے تب یہ حقیقی "اسلام" ہوتا ہے، حقیقی طاعت ہوتی ہے، اسی کا بیان دوسری آیت میں ہے، جہاں اللہ تعالی نے فرمایا:اللہ کے نزدیک اصل دین تو بس اسلام ہی ہے،اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اورطرز اختیار کرے وہ اللہ کے یہاں مقبول نہیں"

اس آیت میں لفظ" اسلام" اسی معنی کے اظہار کے لئے ہیں،اس کے بعد فرمایا گیا" وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ "مولانا امین احسن اصلاحی رقمطراز ہیں:"ابھی اپنے ایمان کی حکایت زیادہ نہ بڑھاؤ،اس نے تمہارے دلوں کے دروازے پر دستک ضرور دی ہے،لیکن وہ دلوں کے اندر گھسا نہیں ہے، یہ ایمان اللہ کے یہاں معتبر نہیں ہے،اللہ کے یہاں معتبر ایمان وہ ہے جو رگ وپے اترے،اور دل کو اپنے رنگ میں اس طرح رنگ لے کہ اس سے الگ ہوکر سوچنا اور کوئی عمل کرنا انسان کے لئے آسان نہ رہ جائے"(تدبر قرآن ۷/۵۲۰)

"إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ "اس آیت میں اسی ایمان حقیقی کی سچی تصویر ہے،اور حقیقی اہل ایمان کی علامت ہے، جب ایمان واسلام کی حقیقت دل میں نہ اتری ہوتو انسان اپنے تقوی وطاعت،

ایمان واسلام کی نمائش کرتا ہے، دوسروں پراس کا رعب جماتا ہے،اور ایسا رویہ دکھاتا ہے گویا اس نے خدا پر بھی کوئی احسان کیا ہے،لیکن ہاں جب ایمان کی حقیقت دل میں ہو،اس کی جلوہ گری قلب ونظر میں سما جائے،تو انسان اس کی راہ میں جان لٹانے سے بھی دریغ نہیں کرتا،اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ حقیقت کا ادراک،اوراس کا یقین راسخ،اس پر غیر متزلزل ایمان،اوراس کی راہ میں عملی طور پر قربانی کا جذبہ سچائی وصداقت کا غماز ہے،اگر کسی کو حقیقت کا ادراک نہ ہو،یا حقیقت معلوم ہومگر اس کے باوجود ریب وتذبذب کا بیمار ہو،یا یقین بھی ہے مگر مقصد کی راہ میں قربانی کا جذبہ نہیں تو یہ سب چیزیں صداقت وسچائی کے خلاف ہیں،بقول مولانا اصلاحی مرحوم:''ایک شخص اگر نصب العین کے لئے جان ومال کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا تو یہ ناقابل انکار شہادت اس بات کی ہے کہ اس کو اس نصب العین کی صداقت پر پورا یقین ہے،اور اگر وہ اس کی خاطر نہ مال قربان کرنے پر تیار ہے نہ اپنی جان کو کسی خطرے میں ڈالنے کا حوصلہ رکھتا ہے تو اگر چہ وہ اس کے عشق میں کتنی ہی لاف زنی کرے اس کا عمل اس کا گواہ ہے کہ وہ اس کے باب میں ابھی مبتلائے شک ہے''(تدبر قرآن)

اس کے بعد کی آیت میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ جو لوگ نبی کے سامنے اپنے ایمان کے اظہار سے یہ تاثر دیتے ہیں کہ انہوں نے گویا نبی کی ذات پر،یا اسلام پر کوئی احسان کیا ہے، انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ احسان تو دراصل اللہ کا ہے،جس نے ایمان کی توفیق بخشی ہے،صاف فرمادیا گیا کہ اگر تمہارے اندر صداقت ہے تو اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے،احسان جتانے کے بجائے احسان شناسی کا مزاج ہو،اگر ایسا نہیں ہے تو جان لو کہ دعوی ایمان درست نہیں،

یہاں ایک مضمون بار بار اللہ کی صفات جمال وصفات کمال کے تذکرے کا ہے، ''مغفرت''،''رحم'' اور''عالم الغیب والشہادۃ'' مختلف صفات مذکور ہیں،ہم نے یہ پہلے اشارہ کیا ہے کہ اللہ کی صفات کا استحضار،ان پر غور وتدبر ایمانی کیفیات کو زندہ کرنے،اور یقین راسخ پیدا کرنے میں سب سے زیادہ معین ومددگار ہوتا ہے،اسی لئے قرآن مجید میں آفاق وانفس میں خدا

کی صفات کی جلوہ گری تلاش کرنے اور غور کرنے کا بار بار تاکید سے حکم دیا گیا ہے، آخری آیت میں اللہ تعالی کے علم لامحدود کا بیان ہے، جو اس طرف اشارہ ہے کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تمہارے ایمان واسلام کی حقیقت سے ناواقف نہیں ہے، اس کے بے پایاں ولامحدود علم سے زمین وآسمان کا کوئی ذرہ مخفی نہیں، اللہ کو اس کی حاجت نہیں ہے کہ تم آگے بڑھ کر اپنے ایمان اور اس کی حقیقت اللہ کو بتاؤ، اللہ خوب جانتا ہے، تمارے دعوے اور اعلان واظہار کی کوئی حاجت وضرورت نہیں، ہاں اللہ تمارے کردار وعمل کو دیکھتا ہے، اس کو محفوظ رکھتا ہے، اور اسی کے مطابق آخرت میں ہر ایک کو جزا وسزا ملے گی، ایک حدیث قدسی میں اسی مضمون کو بڑے صاف لفظوں میں اس طرح بیان کیا گیا ہے ''یا عبادی انما ھی أعمالکم أحصیھا لکم، ثم أوفیکم ایاھا، فمن وجد خیرا، فلیحمد اللہ، ومن وجد غیر ذلك، فلا یلومن الا نفسه'' اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے، اے میرے بندو! تمہارے اعمال کا حساب بے کم وکاست میرے پاس محفوظ ہوتا ہے، میں اسی کے مطابق تمہیں پورا پورا بدلہ عطا کروں گا، جو شخص اللہ کے یہاں اپنے لئے خیر وبہتری پائے وہ اللہ کا شکر کرے، اور رب کی حمد کرے، جو کچھ اور نتیجہ دیکھے وہ اپنے کو ملامت کرے کہ اس نے خود اپنے پیر پر کلہاڑی ماری''

یہ وہ ہدایات ربانی اور بنیادی اصول ہیں جن کی روشنی میں ایک صالح، باخلاق، ربانی وایمانی ایسے معاشرہ کی تعمیر ہوتی ہے، جہاں اخوت ومحبت کی سیادت ہوتی ہے، اجتماعیت ووحدت قائم رہتی ہے، ہر فرد ایک دوسرے کے لئے مہربان شفیق، محبت ومودت کا پیکر، ہمدرد وغم خوار ہوتا ہے، رذائل اخلاق، کینہ وحسد، جنگ وجدال، طعن وتشنیع، اور تحقیر وتذلیل کی کوئی جگہ نہیں ہوتی، برتری وفخر وغرور کے جھوٹے پیمانے ومعیار کی جگہ تقوی وطاعت، اور خدا ترسی کا مزاج ہوتا ہے،

اقبال مرحوم نے کیا خوب ترجمانی کی ہے،

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہاں گیری، محبت کی فراوانی

بتان رنگ وخوں کوتوڑ کر ملت میں گم ہو جا

نہ تورانی رہے باقی ، نہ ایرانی ، نہ افغانی

ہوئے احرار ملت جادہ پیما کس تجمل سے

تماشائی شگاف در سے ہیں صدیوں کے زندانی

ثبات زندگی ایمان محکم سے ہے دنیا میں

کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی

جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا

تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

اللہ سے دعا ہے کہ ''اخوت کی جہاں گیری'' اور محبت کی فراوانی، ایمان محکم کی وہ دولت عطا فرمائے کہ جو روح الامیں کے بال و پر انگارہ خاکی کو عطا کرتا ہے، وصلی اللہ علی النبی الکریم، والحمد للہ اولا و آخرا،

''عرصہ سے اللہ تعالی نے مجیب بھائی کو کتاب وسنت کی تدریس کا زریں موقع عنایت کر رکھا ہے، پہلے وہ جامعہ سید احمد شہید میں تفسیر وحدیث کے سب سے نمایاں استاد رہے، اب دار العلوم امام ربانی میں اسی مقام پر فائز ہیں، جدید نسل کے فضلاء میں اپنے فکر ونظر، وسیع مطالعہ، مصادر سے براہ راست استفادہ، پختہ استعداد، اخاذ طبیعت اور معتدل مزاجی کے سبب وہ امتیازی شان رکھتے ہیں، ان کی تحریریں علمیت واستدلال سے معمور ہوتی ہیں، فکر ونظر کو جلا بخشتی ہیں، قوت فکر وعمل کو مہمیز کرتی ہیں اور قاری کے سامنے نئی دنیا اور نئی جہتیں روشن کرتی ہیں، سورہ حجرات کی تفسیر پر مشتمل ان کی یہ کتاب پڑھنے والے کو راقم کے ہر دعوے کی دلیل خود ہی مل جائے گی، وہ خود ان کی وسعت مطالعہ کی داد دے گا، اخذ واستفادے اور قوت استدلال کو محسوس کرے گا، قرآن مجید میں فکر وتدبر کے وقت اصالت ومعاصرت کے حسین امتزاج کی بہترین مثال دیکھے گا، عقل ونقل کے توازن کو محسوس کرے گا، میں یہ ہرگز نہیں کہوں گا اور کہہ بھی نہیں سکتا کہ فاضل مصنف نے اس کتاب میں سورہ حجرات کے تمام مضامین کو جمع کر دیا ہے اور اس کی تفسیر کا حق ادا کر دیا ہے، لیکن کتاب پر نظر ڈالنے کے بعد یہ ضرور کہوں گا کہ انھوں نے موضوع کی مناسبت سے انحصار کے ساتھ نہایت جامع مواد فراہم کر دیا ہے، مضامین سورت اور اس کے متعلقات پر نمائندہ تفاسیر سے استفادہ کرتے ہوئے بہت اچھی علمی گفتگو کی ہے اور تمام ضروری پہلوؤں کا احاطہ کر لیا ہے، یہ صحیح ہے کہ یہ کتاب ان کے دروس کا مجموعہ ہے اس لیے اس پر علمی رنگ غالب ہے لیکن افادہ عام کے لیے پیش کرتے وقت اگر وہ اس کی عصری تطبیق کے لیے واضح مثالوں کے ساتھ کچھ اضافے کر لیتے تو فائدہ دوبالا ہوتا، اور قرآن کے مقصد نزول یعنی ہدایت انسانی اور تزکیہ واصلاح کا پہلو عصری تناظر میں مزید واضح ہوتا ہے'' (از مقدمہ: ڈاکٹر طارق ایوبی ندوی)

''زیر نظر تحریر مولانا کے انہی مفید اور علمی دروس کا مجموعہ ہے، اللہ تعالی نے مولانا موصوف کو سلیس زبان اور سیال قلم کا وافر حصہ عطا کیا ہے، مولانا ان خوش بخت افراد میں سے ہیں جنہیں قدرت نے اردو اور عربی دونوں زبانوں پر یکساں مہارت دی ہے، مزید علوم قرآن وحدیث پر مولانا کی گہری نگاہ ہے، اس کتابچہ کے شروع میں مولانا ''سورہ حجرات پر لکھی ہوئی چند تفاسیر اور مستقل کتب'' کے زیر عنوان ۵۵ کتابوں اور تفاسیر کی فہرست مع اسماء مصنفین پیش کی ہے، جس سے مولانا کی وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے، اور خود طلبہ میں قرآن ذوق پروان چڑھانے میں ان دروس سے کتنی ترقی ہو سکتی ہے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں، یقیناً یہ کاوش فہم قرآن کے خواہش مند حضرات خصوصاً طلبہ واساتذہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی، اور باذوق اہل علم اس کو شوق کے ہاتھوں لیں گے'' (از پیش لفظ: مولانا زین العابدین حیدرآبادی)

ناشر

ادارہ تحقیق وفکر اسلامی، سنبھل